ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اور ـــــ اس کی حکمت

قرآن میں کسی عبادت کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم نہیں (نفلی عبادات) مگر ذکر اللہ کے متعلق قرآن کریم کی متعدد آیات میں بکثرت کرنے کا ارشاد ہے ..... اس کی حکمت غالباً یہ ہے کہ اول تو ذکر اللہ سب عبادات کی اصل روح ہے جیسا کہ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سوال کیا کہ مجاہدین میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کس کا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے ..... انہوں نے اسی طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا۔ بلکہ جو اللہ کا زیادہ ذکر کرے وہی زیادہ مستحق اجر ہے۔

دوسرے وہ سب عبادات میں سب سے زیادہ سہل ہے۔ شریعت نے بھی اس کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی۔ وضو بے وضو لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر وقت ذکر اللہ کیا جا سکتا ہے وہ نہ انسان سے کوئی محنت لیتا ہے نہ کسی فرصت کو مقتضی ہے اور اثر و فائدہ اس کا اتنا عظیم ہے کہ ذکر اللہ کے ذریعے دنیا کے کام بھی دین اور عبادت بن جاتے ہیں ..... ہر موقعہ پر سرکار کی سکھائی ہوئی دعائیں پڑھنے سے دنیا کے کام دین بن جاتے ہیں۔

معارف القرآن ۔ سورۃ احزاب
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد سعید الرحمٰن علوی

فہم دین

حدثنی حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِىْ سُفْيَانَ وَهُوَ خَطِيْبٌ يَقُوْلُ اِنِّىْ سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِىْ ۔ (مسلم ص۳۳۳ ج)

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے خطبہ کے دوران سنا آپؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے معاملہ میں بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم اور سمجھ عطا فرماتے ہیں ۔ میں (رسول کریم علیہ السلام) قاسم ہوں اور دینے والی اللہ کی ذات ہے۔

حدیث کی مرکزی کتاب "مسلم" کی یہ روایت اور اس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ۔ اس میں دو باتیں ذکر فرمائی گئی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کے معاملہ میں بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کا فہم عطا فرما دیتے ہیں ۔ اور دوسرا یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا کہ میں قاسم ہوں اور معطی اللہ کی ذات ہے ۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے یعنی "دین کا فہم اور اس کی سمجھ" تو بات بالکل واضح ہے کہ اللہ کا دین جس کی تکمیل سرور کائنات علیہ السلام پر کی گئی اس سے بڑھ کر اس کرۂ ارضی پہ اللہ کی کوئی نعمت نہیں ۔ یہی دین ہے جو انسانیت کے لیے مدار نجات ہے ۔ اور اس کے بغیر کوئی ضابطہ اگرچہ وہ آسمانی ہی کیوں نہ ہو اب ناقابل قبول ہے اور مدار نجات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دین سے پہلے کے سب ضابطے تحریف و تبدیلی کا شکار ہو گئے اور کوئی بھی اپنی اصلی شکل میں نہ رہا ۔ یہ دین ایسا ہے جو اپنے نزول کے وقت سے لے کر اب تک بعینہٖ محفوظ ہے اور صبح قیامت تک محفوظ رہے گا ۔ اس دین کی سمجھ اور فہم جسے نصیب ہو جائے اس سے زیادہ قسمت کا دھنی اور کون ہو سکتا ہے ؟ جناب رسول کریم علیہ السلام کے فرائض نبوت میں حکمت و دانائی (دین کی سمجھ اور فہم) کی تعلیم شامل ہے ۔ اور قرآن عزیز نے ایک جگہ یوں فرمایا کہ جسے حکمت (سمجھ) عطا فرمائی گئی اسے "خیر کثیر" نصیب ہو گیا ۔ مطلق سمجھ و دانائی اور زیرکی و فہم و فراست اللہ کا بڑا عطیہ ہے ۔ اور اس صفت سے موصوف افراد معاشرے میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں چہ جائیکہ دین کی سمجھ ، "دین" جتنا خود عظیم ہے اور جتنا بڑا سرمایہ ہے اس کی سمجھ بھی اسی طرح اللہ کا خصوصی عطیہ اور دین ہے اس لیے حضور علیہ السلام

(باقی ۱۰ پر)

جلد ۲۶ ٭ شمارہ ۱۰
۲۴ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ ٭ ۶ ستمبر ۱۹۸۰ء

——— اس شمارہ میں ———

علماء کنونشن ... (اداریہ)
امام العدنی (مجلس ذکر)
جذبہ جہاد کی بیداری (خطبہ جمعہ)
اسلام اور عدل و احسان
حضرت فاروق اعظم رضؓ
مدرسہ مظہر العلوم کراچی
شاہ ولی اللّٰہ کا معرکہ
مولانا ذوالفقار علیؒ

رئیس الادارہ

"پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللّٰہ انور مدظلہ"

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : محمد سعید الرحمن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/۶۰ روپے، ششماہی -/۳۰ روپے
	سہ ماہی -/۱۵ روپے، فی پرچہ ۱/۵۰ روپے

علماء کنونشن اور چند گذارشات

اسلام آباد میں علماء کا جو کنونشن منعقد ہوا اس کی تفصیلات قومی اخبارات کے ذریعہ عوام کے سامنے آ چکی ہیں۔ صدر مملکت نے ملک کے چاروں صوبوں سے ہر مکتب فکر کے علماء کو دعوت دے کر اسلام آباد بلایا ان سے باتیں کیں اور اُن کی باتیں سنیں۔ اپنے لیے علماء کا مشاورتی بورڈ مقرر کیا۔ مختلف مقاصد کی خاطر چھ کمیٹیوں کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ جس کے ممبران منتخب کرنے کے لیے چند علماء کو ہی ذمہ دار گردانا گیا۔ اس کنونشن میں ۳۱ علماء کے معروف زمانہ ۲۲ نکات کا غلغلہ بلند ہوا۔ ان نکات کی تاریخی اہمیت تسلیم کی گئی اور انہیں مستقبل کے لیے بنیاد بنانے کا مسرت زا اعلان ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خوش خبری کانوں میں پڑی کہ اللہ تعالےٰ، جناب رسالت مآب علیہ السلام اور حضرات صحابہ علیہم الرضوان کی توہین پر آرڈیننس آنے والا ہے تاکہ وہ گستاخ قلم اور بے لگام زبانیں اپنے کہے سنے کی سزا پا سکیں جو اس سنگین جرم کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اگلے دن یہ اعلان بھی ہوا کہ کنونشن کے فیصلوں کے تحفظ کے لیے آرڈیننس نافذ کیا جائے گا۔ مزید جو خوشی ہوتی وہ یہ کہ اسلام آباد کی فضاؤں میں اور پھر مسجد جامع میں سب حضرات مل جل کر رہے، مل جل کر نماز پڑھی جس سے فرقہ واریت کے پرچارکوں کی کمر ٹوٹی۔ اللہ کرے کہ مل بیٹھنے کی یہ ریت دائمی ہو اور سرکار کے بلانے اور کہنے پر ہمارے اہل علم جس طرح اکٹھے رہے اسی طرح دین اسلام کی سربلندی و عظمت اور اپنے پیدا کرنے والے کے حکم کا لحاظ کر کے باہم شیر و شکر رہیں۔ کنونشن کے انعقاد سے لے کر اب تک جو مختلف چیزیں سامنے آئیں وہ حوصلہ افزا ہیں، مسرت قلبی کا باعث ہیں۔ سرکار اور سرکار کے بلانے پر جانے والے علماء سب کے لیے ہم دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہیں کہ

ان کے اعمال ملت کی فلاح کا باعث بنیں اور یہ ملک حشر سے پہلے جنت کا نمونہ بنے۔

سرکارِ مدینہ کا ارشاد ہے کہ دین نصیحت و خیر خواہی کا نام ہے۔ جی میں آتا ہے کہ اس ناطہ سے کچھ باتیں سرکار سے بھی کر لیں اور اپنے محترم علماء سے بھی، خاص کر ان علماء سے جو مشاورتی بورڈ کے ممبر ہیں۔ سرکار یہ نہ سوچے کہ علماء کنونشن منعقد کرا کے اور علماء کا بورڈ بنا کر وہ سرخرو ہو گئی۔ نہیں۔ قوتِ حاکمہ وہ ہے۔ علماء کے نیک مشورے اور ان کی جد و جہد ہیں اصل رنگ سرکار ہی نے بھرنا ہے ورنہ پہلے کے متعدد اداروں کی طرح یہ ادارہ اللہ نہ کرے اپنی افادیت کھو نہ بیٹھے۔

سرکار کے لیے بڑا چیلنج انتظامی اداروں کی تطہیر ہے۔ ہائے افسوس! کہ ہمارے انتظامی ادارے اپنے قلب و نظر کو مسلمان نہ بنا سکے یہ درست ہو جاتے تو کبھی کی نیا کنارے لگ جاتی۔ بہر حال ہم دعا گو ہیں کہ سرکار اس معاملہ میں سرخرو ہو اور انتظامی اداروں میں ہمارے جو بھائی ہیں وہ اپنی نجاتِ اخروی کی خاطر ملت کے صحیح معنوں میں کام آ سکیں۔

حضرات علماء کرام! — آپ پر بڑی ذمہ داری آ گئی ہے۔ آپ نے اپنے عمل و کردار سے ثابت کرنا ہے کہ آپ ان عظیم المرتبت علماء ربانی کے سچے وارث ہیں۔ جن کے لیے عہدہ و منصب کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا جو درباروں کی سج دھج سے مرعوب نہیں ہوتے تھے جو امراء و حکام کو نیکی کی تلقین کرتے تھے جو سادہ زندگی کے عادی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے حالات کا رخ موڑنے کے لیے کمال خلوص و دلسوزی کے ساتھ محنت کی تو آپ دارین میں سرخرو اور کامیاب ہوں گے اور ملت اپنی منزل کو پا لے گی۔

محترم حضرات! آج نیکی و بدی کی جنگ جوبن پر ہے۔ بدی کی قوتیں پوری طرح متحد ہو کر نیکی کو فنا کے گھاٹ اتارنا چاہتی ہیں۔ یہ آپ کا کام ہے کہ آپ معروفات کے پھیلانے اور منکرات کے مٹانے کے لیے سرکار کو صحیح صائب اور درست مشورے دیں اور سرکار کو آمادہ کریں کہ وہ خوف و خطر کی پرواہ کئے بغیر اعتماد علی اللہ کے سرمایہ سے کام کر گزرے۔

آپ سرکار سے کہیں کہ عائلی قوانین چوبیس برس سے زائد عرصہ سے ملک میں اسلام کا منہ چڑا رہے ہیں جن کے خلافِ اسلام ہونے پر دو رائیں نہیں ہو سکتیں جن کے قلع قمع کے لیے علماء و صلحاء جیل گئے انہیں فی الفور منسوخ کرنے اس میں نہ کوئی مشکل ہے نہ امر مانع! آپ مشورہ دیں اور زور سے کہ خاندانی منصوبہ بندی کا قصہ تمام کیا جائے کہ یہ طریق اللہ کی نافرمانی کا ہے — آپ آگے بڑھ کر سودی معاشی نظام کو اپنے پاؤں تلے کچل دیں جس طرح سرکارِ مدینہ نے حجۃ الوداع میں کیا تھا کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے مترادف ہے ۲۳ برس جنگ ہو چکی۔ اللہ کی ذات حلیم ہے اس نے کرم کیا اب کہیں وہ پکڑ نہ لے۔ مشاورتی کونسل کے چیئرمین کہہ چکے ہیں کہ ہماری رپورٹ تیار ہے جس کے مطابق بغیر سود کا نظام خوب سے خوب چل سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا یہ سلسلہ کسی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ آپ نظامِ زکوٰۃ کے نقائص سے آگاہ کر کے انہیں دور کرائیں اور بتلائیں کہ چند چند روپے ماہوار تقسیم کرنے سے زکوٰۃ کے نازل کرنے والے کی منشا پوری نہیں ہو گی، اس سے بھکاریوں کا طبقہ منظم ہو گا۔ جو بے یار و مددگار ہیں ان کے آب و دانہ کا سرکار انتظام کرے، اور

باقیوں کو کاروبار پر لگایا جائے۔
یہی زکوٰۃ کی اصل روح ہے۔
آپ توجہ دلائیں کہ سینما،
ٹی وی منکرات میں شامل ہیں اور
"پاک زمین" کو ان ناپاکیوں سے واقعۃً
پاک کرائیں، سادگی کو رواج دلائیں
جس کی وجہ سے ہم کمر توڑ قرضوں
سے نجات پا سکتے ہیں۔ آپ کو
معلوم ہے کہ دو لاکھ کی حیثیت کا
آدمی بنک سے قرض لیتا ہے اور
بے حساب! اس طرح ایک ایک
شہر میں چند چند آدمی ہوتے ہیں
جو بنکوں کے قرض سے بڑے بن
جاتے ہیں اور من مانی کرتے ہیں اور
پھر دولت چند ہاتھوں میں سمٹ
کر اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے۔
آپ توجہ دلائیں کہ کوٹھی
بنگلہ کار اور دوسرے سامان تعیش
کی درآمد پر مشتمل پالیسی تبدیل کی
جائے۔ خلفائے راشدین اور صدر اوّل
کے نیک طینت مسلمانوں کی طرح
سادگی و کفایت شعاری کی زندگی
اپنائی جائے۔ کروڑوں کے صرفہ سے
پریذیڈنسی ہمارے شایانِ شان نہیں
۸-۸-۱۲-۱۲ کنال کی کوٹھیاں اور
بیش قیمت کاریں، وی آر سی اور
رنگین ٹی وی سادگی کے منافی اور
اسراف کے زمرہ میں شامل ہیں اور
اسراف و تبذیر عمل شیطان — آپ
پیدائش اور بیاہ شادی سے لے کر
موت تک کی رسومات کا جائزہ لے کر
انہیں روح اسلام کے مطابق بنائیں،
شراب کا قلع قمع کرائیں کہ یہ کسی
بھی مذہب و ملّت میں جائز نہیں۔
یہ چیز عقل و خرد کی دشمن ہے اور خالق
اپنی مخلوق کے حق میں اسے پسند
نہیں کرتا پھر یہ اسلام کی فطری
سادگی کے بھی منافی ہے۔ اسی طرح
سگریٹ کی ڈبیہ پر "مضر صحت" لکھوانے
کے بجائے ایک قدم آگے بڑھائیں،
چائے کی پالیسی پر ذرا سخت نظرثانی
ہو۔ ملک میں دستی کھڈیوں کو رواج
دے کر ملکی ضروریات کا کپڑا وہاں
سے حاصل کریں اور ملوں کو بھی
ملک کے لیے ایک خاص قیمت کے
کپڑے پہ آمادہ کریں اور مہنگا کپڑا باہر
بھیج کر زرِ مبادلہ کمائیں۔
ملک کی اصلاح و ترقی
مشکل نہیں معروفات پھیلیں منکرات
مٹیں تو ملک خود اوج ثریا پہ
پہنچے گا۔
ہم نے چند سرسری گذارشات
کیں وہ بھی بے ربط کہ آپ دانا
بینا ہیں اور "العاقل تکفیہ الاشارۃ"
یہ وقت و موقعہ ہمیشہ نہیں ملے گا
چیلنج ہے اور سخت۔ اللہ آپ کا
حامی و ناصر ہو۔ آپ قوم کے
کام آئیں اور پاکستان جنت عدن
بنے۔ آمین!

علی

کچھ لوگ تمنائے زر و مال میں خوش ہیں
اور بعض تماشائے خد و خال میں خوش ہیں
اسباب ہیں سودائی یہ سب رنج و الم کے
اچھے ہیں وہی کہ ہر حال میں خوش ہیں

ہے تکبر زر پہ لا حاصل کہ بعد از مرگ بس
ایک ہی رستہ ہے سب شاہ و گدا کے واسطے
مال و زر ملک و زمین گنج و سپاہ
کب کسی کو ہے بقا سب ہے فنا کے واسطے

حضرت مولانا محمد حیاتؒ

فاتح قادیان مولانا محمد حیات جو مجلس احرار
اسلام کے شعبۂ تبلیغ کی طرف سے مدتوں قادیان
میں ختم نبوت کا پرچم لہراتے رہے، ۱۰۲ سال
کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔
کیسے عجیب لوگ تھے۔ اب ان کے دیکھنے
کو آنکھیں ترستی رہیں گی، سادگی کا مرقع
لیکن علم و شرافت کا پہاڑ۔ اب بھی ایک
عرصے سے ربوہ کی مسلم آبادی میں مجلس تحفظ
ختم نبوت کے مرکز میں قیام پذیر تھے۔
منکرین ختم نبوت ان کا سامنا نہیں
کر سکتے تھے، پون صدی کی ہنگامہ خیز زندگی
جس میں سینکڑوں مناظرے ہوئے گذار کر
اپنے اللہ کے حضور پہنچ گئے،
علم فروشی اور وعظ کی گراں قیمت فیس کے

جانشینِ شیخ التفسیر امامُ الہُدیٰ ہیں

مجلسِ ذکر کے شرکا سے مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کا خطاب

حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ نے شیرانوالہ کی مسجد میں مغرب و عشاء کے درمیان اہلِ تعلق کی اصلاح کیخاطر مجلسِ ذکر کا اہتمام کیا تھا، اس کے فوائد اور برکات اظہر من الشمس ہیں اور کتنے ہی لوگ ہیں جو اس طرح نہ صرف گناہوں سے تائب ہوگئے، بلکہ شب بیدار اور ذکر وفکر کے رسیا ہوگئے۔

آج جب اس مردِ مومن کو اس دنیا سے رخصت ہوئے ۱۸ برس ہوچکے ہیں، یہ سلسلہ برابر جاری ہے، اور اب ہر قمری ماہ کی پہلی جمعرات کو مجلسِ ذکر کے فوراً بعد آیت کریمہ کا ختم ہوتا ہے جس میں بلا مبالغہ کئی سو افراد شریک ہوتے ہیں، نمازِ عشاء کے بعد امام لاہوری کے جانشین محترم مولانا عبید اللہ انور ملت کے اجتماعی مسائل کے سلسلہ میں جس دلسوزی اور محبت سے دعا کرتے ہیں، اس سے زخمی دلوں کی ڈھارس بندھتی ہے۔

رمضان المبارک میں مجلسِ ذکر کا سلسلہ موقوف ہوتا ہے، اور رمضان کے بعد شوال کی پہلی جمعرات کو خوب چہل پہل ہوتی ہے، امسال چونکہ عید الفطر بدھ کو تھی، اور دور دراز کے متعلقین کا ۲ر شوال کی جمعرات کو لاہور پہنچنا ذرا مشکل تھا، اس لئے پہلے سے طے کرلیا گیا تھا کہ یہ سلسلہ اب ۹ر شوال کو ہوگا، چنانچہ اسکا مسلسل "خدام الدین" میں اعلان ہوتا رہا، اور جب ۹ر شوال کی جمعرات آئی، تو بلا نوشانِ محبت صبح سے ہی آنا شروع ہوگئے، وقت پر مجلسِ ذکر ہوئی، آیت کریمہ پڑھی گئی، اور نماز کے بعد مولانا المحترم نے خود اعلان کرکے حضرت اقدس کے خادم وخلیفہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی، کو دعوتِ خطاب دی، قاضی صاحب محترم علاقہ چھچھ جیسے مردم خیز خطہ کے ایک قصبہ شمس آباد کے رہنے والے ہیں دار العلوم دیوبند کے پرانے فضلاء میں سے ہیں، شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ اور پھر حضرت لاہوری سے نسبت ہے، عمر کا ایک حصہ ڈیرہ اسماعیل خان، ایبٹ آباد، اور اٹک کے کالجوں میں گذرا، اس دور میں بھی درسِ قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہا، ریٹائرمنٹ کے بعد مستقلاً اٹک میں مقیم ہوگئے ہیں، وہاں مسجد و مدرسہ کی داغ بیل ڈالی اور اس کے علاوہ واہ، ٹیکسلا، پشاور اور تربیلہ وغیرہ میں درسِ قرآن کا سلسلہ نباہ رہے ہیں، خاص طور پر واہ کا درسِ قرآن ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے، جس کے سلسلہ میں حضرت لاہوری کے پرانے خادم بھائی خوشی محمد صاحب، جو اب ریٹائر ہوچکے ہیں" اور بھائی عثمان غنی صاحب کی محنت قابلِ داد ہے"،

قاضی صاحب کو دعوتِ خطاب ملی تو وہ سہمے سہمے اٹھے، کیونکہ یہ جگہ ان کے شیخ کی تھی اور ادب کا مقام تھا،

خطبہ مسنونہ کے بعد انہوں نے فرمایا

"اس منبر کے پاس جس پر نصف صدی تک اللہ کا ولی حق کا پیغام سناتا رہا، کچھ کہنا بڑی جسارت ہے، لیکن حضرت کا حکم ہے اسکی تعمیل میں چند کلمات پیشِ خدمت ہیں

انہوں نے کہا کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ایسے مرکز سے وابستہ ہیں جو اسلاف کے دور کے مراکز کی طرح روشنی وہدایت کا مرکز ہے، الحمد للہ ہمارے حضرت اپنے عظیم والد بزرگوار کے سچے

جانشین ہیں، امسالولد سرلابیہ کا مصداق!

آپ نے کہا کہ جن حضرات کا عصر سے قلبی تعلق ہے، قلبی اور قدمی نہیں انہیں تین نعمتیں نصیب ہوتی ہیں،

۱، یہ کہ بغیر سمجھائے ان کا عقیدہ درست ہوجاتا ہے محض مجلس کی برکت سے اور یہ اللہ کا فضل ہے!

حضرت مدنی رہ کے مکتوبات میں امام ولی اللہ دہلویؒ کا کشف لکھا ہے کہ سرور کائنات علیہ السلام کے سینہ سے ہزاروں کی تعداد میں تار نکل رہے ہیں اور لوگوں کا جم غفیر ہے سوال پر فرمایا گیا کہ یہ سب حدیث کے خدام ہیں — تو گویا قرآن وسنت کے سچے خدام کا سلسلہ برابر سرکار سے قائم ہے، اور علم حدیث و قرآن ہو یا طریقت کا بحر مواج یہ شجرات واسناد اسی کی غماز ہیں کہ یہ نیا سلسلہ نہیں بلکہ برابر ایک تار ہے جو چل رہی ہے،

ہمارے موجودہ حضرت بحمد اللہ امام الہدیٰ ہیں اللہ ان سے تعلق کا سلسلہ قائم رکھے،

دوسری نعمت قرآن سے تعلق کی شکل میں،

اور تیسری نعمت بیت اللہ اور روضہ رسولؐ کی بار بار زیارت کی شکل میں نصیب ہوتی ہے، یہ ظاہری نعمتیں ہیں جو اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہیں رہ گئیں باطنی نعمتیں، تو وہ آنکھ والوں کو نظر آتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دل کی آنکھیں نصیب فرمائے،

قاضی صاحب محترم نے بطور نصیحت حاضرین کو فرمایا کہ ملک میں اکابر کے خلاف مختلف طرح کے طوفان اٹھ رہے ہیں جن کے متعلق ہمیں سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے اکابر سے صحیح تعلق رہا تو انشاء اللہ خطرہ نہیں،

ہمارے اکابر الحمدللہ اسلاف کے سچے وارث تھے، اور مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ تم نے امام احمد حنبل امام مالک، بایزید بسطامی، اور حضرت شیخ جیلانی قدس اللہ اسرارہم کو دیکھا تو میں بلا تکلف کہوں گا کہ ہاں، کیونکہ حضرت مدنی کو دیکھا، تو امام احمد کو دیکھا علامہ انور شاہ کو دیکھا تو امام مالکؒ کو دیکھا، حضرت میاں اصغر حسین کو دیکھا تو بایزید بسطامی کو دیکھا اور حضرت لاہوری کو دیکھا تو شیخ جیلانیؒ کو دیکھا، (رحمہم اللہ تعالیٰ) اکابر کے ساتھ تعلق صحیح رکھیں، "المہند" اور "الشہاب الثاقب" جیسی کتابیں موجود ہیں جو اکابر کے افکار کی صحیح ترجمان ہیں، انہیں پڑھیں اور ان حضرات سے وابستہ رہیں، موجودہ طوفان میں ہم بھی ذمہ دار ہیں، ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے ہمارے اکابر تو مدینہ کے دفن کو سعادت سمجھتے تھے، کتنے ہیں جو اس خاک پاک میں آسودۂ رحمت ہیں،

"تذکرۃ الرشید" کے مطابق حضرت قطب العصر گنگوہی قدس سرہ مدینہ کی مٹی سُرمہ میں ملا لیتے اور سوال پر فرماتے وہ اور مٹی ہوگی جو حرام ہے یہ مٹی حرام نہیں"

حضرت قاسم العلوم نانوتوی قدس سرہ نے ساری عمر سبز رنگ کا جوتا نہیں پہنا ہمیں ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو کہ اکابر کی نیک نامی کا باعث ہو نہ کہ بدنامی کا،

آپ حضرات جگہ جگہ قرآن کے درس، حدیث کے درس، اور ذکر و اذکار کی مجلسیں قائم کریں، دین پر استقامت کا یہی طریقہ ہے، اور اسی طرح ہم بزرگوں کے صحیح وارث بن سکتے ہیں — اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے،

قاضی صاحب کے مختصر خطاب کے بعد حضرت مولانا القدر زید مجدہم نے دعا فرمائی، — دوران دعا انہوں نے فرمایا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ قرآن سے مجھے جو عشق ہوا اور یادِ الٰہی کی جو توفیق نصیب ہوئی، وہ حضرت لاہوری رہ کے جوتوں کے صدقے تھے!

حضرت سے وابستگی نہ ہوتی تو علی میاں بہت کچھ ہوتا یہ نہ ہوتا جو آپ ہے بہرحال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کے فرمان کے مطابق اسلاف سے صحیح تعلق نصیب فرمائے،"

خطبہ جمعہ

ترتیب: مولانا عبدالرؤف فاروقی

مسلمانوں میں مذہبی حمیّت اور جذبۂ جہاد بیدار کیا جائے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ وکفی وسلامٌ علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ: خصوصًا علیٰ سیّد الرسل و خاتم الانبیاء: اما بعد — فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: —

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ صدق اللہ العظیم۔

محترم حضرات! سُورۃ بقرہ کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ اسلام کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے اپنی جان قربان کر دینے والوں کی عظمت کو بیان فرماتے ہیں کہ اچھی سے اچھی زندگی گذار کر طبعی موت سے دوچار ہونے والوں کو مردہ کہا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع یعنی زندگی کا نذرانہ دے کر اللہ تعالےٰ کی الوہیت و ربوبیت کی شہادت و گواہی اور اسلام کے ساتھ اپنی حقیقی وابستگی کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو کیونکہ وہ تو اللہ کے ہاں اس موت کے ذریعہ ابدی زندگی سے سرفراز ہو چکے ہیں البتہ ان کی یہ حیات اتنی بلند و ارفع ہے کہ تمہاری ناقص عقل اس کے شعور و ادراک سے قاصر ہے۔ یہ شہادت کی موت اللہ تعالےٰ کے نزدیک اتنی عظمت کی حامل موت ہے اور شہید اللہ تعالےٰ کو اتنا عزیز ہے کہ سید کائنات امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر اس کی آرزو فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں موجود ہے کہ آپؐ نے ایک دفعہ اپنی آرزو کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰي ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰي ثُمَّ اُقْتَلَ۔ یعنی میری دلی خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندگی ملے اور دوبارہ شہید کیا جاؤں پھر زندگی عطا ہو تو تیسری بار بھی اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں۔

محترم حاضرین! انسان اپنی زندگی اور بقاء کے لئے بیشمار جتن کرتا ہے لیکن جس انسان کو یہ علم اور یقین ہو جائے کہ یہ چند روزہ ناپائیدار زندگی اللہ کی راہ میں قربان کر کے ہمیشہ کی ایسی زندگی حاصل ہو سکتی ہے جس کی بقاء کے لیے کوئی محنت نہ کرنا پڑے گی۔ بلکہ وہ ابدی حیات خود بخود اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایات کی جنت لے کر آئے گی تو پھر وہ یقیناً شہادت کی تمنا کرے گا۔ اور اسلام کی عظمتوں کے لیے اپنی جان کا آخری قطرہ بھی بہانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

صحابہ کرامؓ کی فراست

حضور علیہ السلام کے صحابہؓ نے اپنی ایمانی فراست اور پیغمبر علیہ السلام کی تربیت کے نتیجہ میں زندگی کے اسی راز کو پا لیا تھا اور وہ اپنی فطری سعادت مندی سے اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی اسلام کے مقابلہ میں اپنی جان، مال، عزت و آبرو، تعلقات اور کاروبار کو کبھی ترجیح نہیں دی۔ چنانچہ معرکۂ بدر سے قبل مشورہ کرتے ہوئے مہاجرین کی طرف سے مطمئن ہو کر جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا روئے سخن انصار مدینہ کی طرف فرمایا تو صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت مقدادؓ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ! ہم حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا خدا جا کر لڑیں بلکہ ہم لوگ آپؐ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: "کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم، آپؐ حکم فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑنے کو بھی تیار ہیں۔" اسی طرح ہر نازک موقعہ پر ان مجاہدین اسلام نے اپنے ان دعاوی کا میدانِ جہاد میں عملی ثبوت پیش کیا اور ہر قسم کی مصیبتیں جھیلیں۔ کہ اسلام کا پرچم بلند کیا اور دین کا ڈنکا بجایا۔

اللہ کی طرف سے انعام یافتہ لوگ

معزز سامعین! قرآن مقدس نے اس گروہ شہداء کو بلند مقام عطا فرمایا ہے اور اپنی بارگاہ سے انعامی تمغہ حاصل کرنے والوں کی فہرست میں شہداء کو تیسرے نمبر پر بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ "الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین"۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے مقام نبوّت و صدیقیت کے بعد سب سے زیادہ انعام اُن لوگوں پر ہے جو مقام شہادت پر فائز ہیں اور اگر دیانتداری کے ساتھ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ شہداء اسلام کے مقدس خون کا ہی صدقہ ہے کہ آج اسلام چاردانگ عالم میں متعارف ہے اور ہم بھی بجا طور پر اُن کے احسان مند ہیں کہ ہم تک اگر اسلام کا پیغام پہنچا ہے تو یقیناً یہ انہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے ساتھ اپنی لازوال محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے کے لیے اپنے خون سے اسلام و دین کے گلشن کو سیراب کیا کہ آج ہم اُس کے گلوں کی خوشبو سے اپنے دل و دماغ اور عقائد و نظریات کو معطر کیے ہوئے ہیں۔

محترم حضرات! کسی مسلمان کے دل میں شہادت کی تمنا اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اس کے دل میں جذبۂ جہاد بیدار نہ ہو۔ اور یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان قوم جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے سرشار رہی دنیا کی کوئی طاقت اور قوت انہیں شکست نہ دے سکی۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں کو غلام بنانے کے لیے سب سے زیادہ کوشش اسی جذبے کو ختم کرنے پر صَرف کی۔ چنانچہ برصغیر میں انگریزوں نے منظم طور پر جھوٹی نبوّت اور نام نہاد مذہبی قیادت کے ذریعہ اپنے اس منصوبہ میں کامیابی کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن علماء حق کی قبروں پر رحمت برسائے جنہوں نے برطانوی سامراج کی ان کوششوں کا ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کیا، صعوبتیں برداشت کیں۔ شہید ہوئے لیکن مسلمانوں کے اس جذبے کو بیدار رکھا پھر بھی

حال ہی میں بھارت کے مسلمانوں
پر ہندو غنڈوں کی طرف سے
جو ظلم و تشدد کے واقعات
رونما ہوئے انڈیا کے مختلف
شہروں کے علاوہ مقبوضہ کشمیر
میں جس طرح مسلمانوں کا قتل عام
ہوا یہ المناک حادثہ سے کسی
طرح بھی کم نہیں کہ اس پر
جتنا بھی افسوس اور احتجاج کیا
جائے کم ہے لیکن ہندو غنڈوں
کی اس دیدہ دلیری اور ناپاک
جسارت کی بنیادی وجہ یہ ہے
کہ انہیں اب یہ اندازہ ہو
چکا ہے کہ مسلمان قوم میں جذبۂ
جہاد سرد پڑ چکا ہے۔ قومی غیرت
اور اسلامی حمیت دم توڑ چکی
ہے۔ اس لیے کسی حالت میں بھی
وہ ان مظلوموں کی امداد کے
لیے کوئی اقدام کرنے کے لیے
تیار نہ ہو سکے گی۔

محترم حاضرین! میں سمجھتا
ہوں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں
جذبۂ جہاد بیدار کر کے کفر کی
تمام طاقتوں کو یہ انتباہ کر
دینا ضروری ہے کہ وہ سفاکی
اور درندگی کی کاروائیاں بند کر
دیں ورنہ انہیں پوری مسلمان قوم
کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس صورت
میں کسی باطل قوت کو مسلمانوں
پر ظلم کرنے کی ہرگز جرأت
نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے
کہ وہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد
بیدار کریں اور ہر مقام پر مسلمانوں
کی امداد فرمائیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

بقیہ ، احادیث الرسولؐ

نے یہ بات فرمائی اور واقعہ یہ
ہے کہ اس میں بڑا ہی سبق ہے
کہ امت کے جو افراد خدا سے دنیا
کے ٹھیکرے مانگتے ہیں، وہ اس
ذات عالی سے دین کا شعور اور فہم
مانگیں دنیا تو بہت معمولی چیز ہے
اس ذات عالی نے جس کو دین
اور اس کی سمجھ و شعور عطا فرما
دیا اس کی دنیوی ضرورتوں کو بھی
پورا کرے گا بلکہ وہ دنیا کی
ضرورتیں ہر کسی کی پوری کرتا ہے
وہ ذات تو بقول شیخ ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

کی شان رکھتی ہے۔ اس لیے بندۂ
مومن کو اس سے یہی عظیم نعمتیں
مانگنی چاہئیں۔

آگے حضور علیہ السلام نے
اسی حقیقت کبریٰ کی طرف لطیف
اشارہ فرمایا کہ "معطی (دینے والی
ذات) اللہ ہے۔ سب خوبیاں
کمالات اسی کو سزاوار ہیں۔ وہی
سب کچھ دیتا ہے ۔ رہ گیا میں
تو میری مثال تو قاسم کی ہے
میرا رب جو کچھ مجھے دیتا ہے
میں اسے چھپا کر نہیں رکھتا اس
کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہوں۔
اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک
پہنچاتا ہوں۔ دینے اور بخشنے والی
ذات اسی کریم آقا اور سخی داتا
کی ہے۔

صاحب جوامع الکلم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم
کی کس قدر مقدس تعلیم ہے کہ
چھوٹے چھوٹے جملوں میں آپ
قلب و نظر کی اصلاح فرماتے
جاتے ہیں —— آپؐ کی ایک
دعا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا
اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ۔

اے اللہ! جسے تو دے
اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور
جس سے تو روک لے اسے کوئی
دے نہیں سکتا۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنے
آستانہ کا گدا و فقیر بنائے اور اپنے
سوا کسی کے آستانہ پر جھکنے سے
بچائے اور جب ہم اس سے
مانگیں تو وہ چیز جس میں ہماری
دنیا کا بھی بھلا ہو اور عقبیٰ کا
بھی ——!

اسلام اور عدل و احسان — عورتوں سے

محمد سعید الرحمٰن علوی

نشر بہ ریڈیو پاکستان لاہور — ۲۷/۸/۸۰ ، ۵½ بجے شام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد :—

اسلام میں عدل و احسان کی تعلیم انسان چھوڑ حیوانات کے لیے بھی موجود ہے۔ اور اسلام نازل کرنے والے سچے مالک الملک نے ہر حال میں عدل و احسان کا حکم دیا ہے۔ جمعہ و عیدین کے دوسرے خطبہ میں بالعموم سورۂ نحل کی آیت ۹۰ پڑھی جاتی ہے جس میں اللہ تعالٰے نے عدل و احسان کا حکم دیا ہے — جب عدل و احسان کا حکم اتنا عام ہے تو عورت جو انسانی برادری کا اہم ترین حصّہ ہے وہ اس کی برکات سے کیسے محروم رہ سکتی ہے۔ اسلام سے قبل عورت ذات کی جو حیثیت تھی اس کا اندازہ سورۂ نحل کی آیت ۵۸ اور ۵۹ سے ہو سکتا ہے — جن کا ترجمہ یہ ہے :—

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جائے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہوتا ہے اس خوشخبری کی برائی کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ آیا اسے ذلّت سے قبول کر کے رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے ؟ دیکھو کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں! (ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ جن بچیوں کو زندہ درگور کیا گیا ان سے صبح قیامت میں جو سوال ہو گا اس کا ذکر سورۂ تکویر کی آیت ۸-۹ میں ہے کہ اس سے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا ؟ لیکن جب محمدؐ عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ دنیا میں تشریف لائے اور اللہ تعالٰے نے آپؐ کے ذریعہ دنیا کو آخری اور سچے دین اسلام سے سرفراز فرمایا تو عورت کے حق میں متعدد قانونی احکامات جاری کیے گئے۔

اس سے پہلے عورت میراث کا مال شمار ہوتی تھی (سورۂ نساء آیت ۱۹) تو اب وہ مرد کی طرح میراث کے مال میں حصّہ دار قرار پائی۔ "ایام" کے اندر اس سے جو توہین آمیز سلوک ہوتا تھا اس سے اللہ تعالٰے نے قانوناً روک دیا (سورۂ بقرہ آیت ۲۲۲) اب مرد کی طرح اسے باقاعدہ صاحب حق قرار دیا۔ (بقرہ آیت ۲۲۸) جس طرح مرد اس کے لیے بمنزلہ لباس ہے اسی طرح اسے مرد کے لیے بمنزلہ لباس قرار دیا (بقرہ آیت ۱۸۷) ازدواجی زندگی کے معاملہ میں اس کی مرضی کو قانونی حق کے طور پر تسلیم کیا مرد کی زیادتیوں کی شکل میں علیحدگی کی خاطر اسے خلع کی اجازت دی۔ اور مردوں کو ان سے حسنِ معاشرت کی تعلیم دی وعاشروھن بالمعروف (النساء، آیت ۱۹) جناب نبی کریم علیہ السلام نے اس شخص کو جنّت کی بشارت دی جس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے

اپنی لڑکی کی کسی بھی طرح ناقدری نہ کی اور اسے اپنے لڑکوں کے برابر رکھا اور لڑکوں کو محبت اور برتاؤ میں اس پر ترجیح نہ دی۔ (احمد، حاکم)

بخاری اور مسلم کی ایک روایت کے مطابق جس کی راویہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ ہیں آپ نے فرمایا کہ جس شخص پر اللہ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا یعنی ان کی تعلیم و تربیت وغیرہ کا خاص خیال رکھا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائینگی۔

بچی جب جوان ہو کر ازدواجی رشتہ کے بعد بیوی بنی تو اس کے خاوند کو چند در چند ہدایات دیں۔ اس پر اس کا مہر ضروری قرار دیا۔ اس کے نان نفقہ کا اسے ذمہ دار ٹھہرایا۔ اور بخاری و مسلم کی ایک روایت کے مطابق جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ "بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو"۔۔۔ مزید کچھ ہدایات دے کر روایت کے آخر میں بھی وہی بات دہرائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرو اور میری وصیت مانو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدۃ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ "مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو اور خاص طور پر بیوی کے ساتھ جس کا رویّہ لطف و محبت کا ہو۔ اور خود آپ نے اپنی ذات پاک کے متعلق ارشاد فرمایا کہ میں اپنی بیویوں کے لیے بہت اچھا ہوں۔ "انا خیرکم لاھلی" اور یہی بیوی جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اولاد کے بعد ماں بن گئی تو اولاد کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی تعلیم دی۔ قرآن عزیز میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر و حکم ہے خاص طور پر سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳-۲۴ اور ۲۵ تو اس معاملہ میں حرف آخر ہیں کہ ماں (اور باپ کے لیے بھی) حکم یہ ہے کہ انہیں "اُف" بھی نہ کہو۔ حضور علیہ السلام کے اس سلسلہ میں چند ارشادات کا خلاصہ یہ ہے:۔

ایک روایت میں آپ نے ماں کا حق باپ سے زیادہ قرار دیا۔ (بخاری۔ مسلم) ایک اور روایت میں جنت ماں کے قدموں تلے بتائی۔ (احمد۔ نسائی) ایک روایت کے مطابق ایک صاحب نے اپنے گناہ کے متعلق معافی کا طریقہ معلوم کرنا چاہا تو آپ نے پوچھا کہ تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ جب آپ کو بتلایا گیا کہ نہیں لیکن ان کی ہمشیرہ (میری خالہ) زندہ ہیں تو فرمایا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ یہی توبہ اور نجات کا راستہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور علیہ السلام نے اپنی کافر ماں کے متعلق صلہ رحمی کا ارشاد فرمایا (بخاری۔ مسلم) حتیٰ کہ ماں اور اسی طرح باپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد آپ نے ان کے لیے دعاء و استغفار کی تعلیم دی۔ (ابوداؤد ابن ماجہ) اور ان کی خدمت کو عمر کی زیادتی کا باعث اور ان کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا۔

الغرض عورت کو اسلام نے پورے پورے حقوق دیئے اس کے ساتھ ہر طرح عدل و احسان اور نیکی و بھلائی کی تعلیم دی۔ اس پر علم کے دروازے بند تھے انہیں وا کیا اور اس کے فطری شرم و حیا کی حجاب و ستر کے ذریعہ مکمل حفاظت فرمائی اگر کوئی بدخو اس پر ناحق تہمت لگائے تو اسے سنگین اور عبرتناک

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

قمرؔ حجازی اوکاڑہ

کیا ہے دشمنوں کا جس نے سر خم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

ملی کعبہ میں جانے کی سعادت
ہے جاری جس کی آمد سے عبادت
اُسی کے دَم سے قائم ہے عدالت
اُسی پر ناز کرتی ہے سیاست
بلند اُس نے کیا اسلامی پرچم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

مثال جس کی دنیا میں حکومت
ہوئی ایمان پر جس کے مسرّت
صحابہؓ کو ملی ہے جس سے قوت
ہوئی قائم جہاں میں جس سے سطوت
لرزتا جس کی ہیبت سے تھا رستم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

اُسی کے عہد میں مردم شماری
زمیں کی اُس نے پیمائش کی جاری
مسلماں پر یہ ہے احسان بھاری
تراویح باجماعت اس سے جاری
ہُوا خواہش پہ جس کی پردہ لازم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

اکابر مجلسِ شوریٰ کے ممبر
صحابہؓ کا ہُوا اس میں تقرر
جو تھے انصاف میں اوروں سے بہتر
عدالت میں کیے قاضی مقرر
مجسم تقویٰ تھے جس کے ملازم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

محلہ بچ گیا چادر سے جس کی
بھرے روح الامیں بھی حامی اُس کی
گرے بُت کعبہ میں ہیبت سے جس کی
کرے انکار یہ جرأت ہے کس کی
لبوں پہ نام میرے اُس کا ہر دم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

مدینہ آپ کے قدموں کی برکت
بچا ہے زلزلے سے تا قیامت
ملی جنّت میں جانے کی بشارت
ہوئی مسجد میں جن کی ہے شہادت
ہے نازاں آپ پہ اولادِ آدمؑ
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

یتیموں کا وہ خود راشن اٹھائے
جو پیاسے تھے انہیں پانی پلائے
وہی نہرِ ابو موسےٰ کھدائے
اُسی نے قیصر و کسریٰ مٹائے
مطیع اُس کا ہُوا عالم کا عالم
وہ دامادِ علیؓ ___ فاروقِ اعظمؓ

لقب فاروقؓ کا حضرت سے پایا
خمیر اس کا قمرؔ جنّت سے آیا
کہا "یا ساریہ" لشکر جگایا
غلام اُس کا بنا ہم کو خدایا

وہ بے کس اور غریبوں کا تھا ہمدم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

رفاہِ عام کے ساماں بنائے
وظائف بھی کئی جاری کرائے
وہ شب کو شہر میں چکر لگائے
منافق آپ سے بچ کر نہ جائے
جسے دیکھیں تو مٹ جائیں سبھی غم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

تھے شاہی تاج قدموں پر نثار
تھی اُس پر خاص نظرِ کردگار
وہ خود تھا اونٹ کی پکڑے مہار
تھا خود پیدل غلام اُس کا سوار
جسے پہچانتے عیسائی عالم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

بلا تفریق تھا اُس کا چناؤ
کہیں سے اُس کا تم ثانی تو لاؤ
بتائے نیل کا ہم کو بہاؤ
اُسی کے عظمتوں کے گیت گاؤ
لُٹائے دین پر دینار و درہم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

بہاروں نے اُسے دی ہے سلامی
فرشتے بھی کریں اس کی غلامی
غلامی میں بنے نامی گرامی
علی ہجویریؒ و سعدیؒ و جامیؒ
صحابہؓ بھی کہیں جس کو معظم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

حسینؓ ابنِ علیؓ کو شہر بانو
عطا کی ہے حقیقت دل سے جانو
اے آلِ نبیؐ سے پیار جانو
خلیفہ دوسرا تم دل سے مانو
علیؓ بھائی بنے اس کے مکرم
وہ دامادِ علی ــــــ فاروقِ اعظمؓ

خلافت خاص سانچے میں ڈھلی ہے
یہی تاریخ کا عنواں جلی ہے
روایت معتبر ہے تو چلی ہے
عمر فاروقؓ ــــــ دامادِ علیؓ ہے
نبی ہوتا کوئی ہوتے وہ لازم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

گواہی عائشہؓ کی دی یہ کہہ کر
سراسر جھوٹ ہے بہتان اُن پر
کہ سورۂ نور بھی شاہد ہے اس پر
منافق کانپتے تھے سب ہی تھر تھر
کیا تھا کافروں کا ناک میں دم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

عمرؓ کا جو ہے منکر دوزخی ہے
یہ دعویٰ ہے مرا جو بالیقیں ہے
پیمبرؐ کے جو روضے میں مکیں ہے
مقام اُس کا قصرِ خلدِ بریں ہے
اسی کے نام سے عزت ہے قائم
وہ دامادِ علیؓ ــــــ فاروقِ اعظمؓ

ماہانہ مجلسِ ذکر

حسبِ سابق ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی ماہانہ مجلس ذکر زیرِ صدارت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم خضراء مسجد سمن آباد۔ لاہور میں بروز اتوار ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء بعد از نماز مغرب منعقد ہوگی، دعوت عام ہے

اسلامی ممالک میں "مدرسہ" کا تعلیمی نظام

اور

مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

سنہ ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء میں کراچی کی سرزمین پر ایک دینی درسگاہ "مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی" قائم ہوا۔ یہ مدرسہ دیوبند تحریک کے نتیجہ میں وجود میں آیا، کھڈہ کی بستی میں مولوی محمد عبد اللہ اور مولوی محمد سلیمان نے بنیاد رکھی بانیان مدرسہ کی حسن نیت کا ثمرہ تھا کہ مولانا احمد دین چکوالی جیسا تجربہ کار اور مستند عالم استاد انہیں مل گیا، جس نے اپنے تجربہ اور محنت سے تھوڑی سی مدت میں مدرسہ کو دور نزدیک مشہور کر دیا اور طلبہ کثیر تعداد میں تحصیل علوم کے لئے آنے لگے۔

مولوی عبد اللہ نے کھڈہ کی پس ماندہ بستی میں سکونت اختیار کر کے یہاں کے باشندوں میں تبلیغ و اصلاح کے فرائض انجام دیئے یہاں کے غریب باشندے زیادہ تر مچھلی کا کاروبار کرتے تھے، مولانا نے ان "موہانوں" میں دینی خدمت کا جذبہ پیدا کر دیا، یہ مدرسہ کا ابتدائی دور تھا، اس دور پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد صادق مرحوم لکھتے ہیں "دور اول میں خدا پرست ہاتھوں نے اس خالص اسلامی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور توکلاً علی اللہ کام شروع کیا، نہ دولت مندی کا سہارا تھا نہ حکومت سے امداد کا بھروسہ اور نہ ہی کام کرنے والوں کی آنکھیں حکومت کے خزانہ عامرہ میں طمع رکھنے والی تھیں ایک خلوص و اخلاص و للّٰہیت کی دولت تھی جس کے تکیہ پر کام شروع کیا گیا تھا، کم خواہی اور کم مائگی کے باوجود مدرسہ کی ماہوار آمدنی ڈھائی سو روپیہ سے زیادہ اور خرچ ڈھائی سو کے قریب تھا ——

محلہ کھڈہ کے غریب اور نیک طینت باشندوں نے طالبان علوم کی خوراک کا بار بڑی صداقت اور فراخ دلی کے ساتھ اپنے اوپر رکھا تھا شہر اور مضافات کراچی کے بعض مخیر حضرات پوشاک از قسم پیرہن، ازار، کمبل اور چادر وغیرہ نہایت ہی اخلاص مندی کے ساتھ پہنچاتے رہتے تھے —— مدرسہ یوماً فیوماً خاموشی کے ساتھ ترقی کرتا رہا، نہ میونسپل بورڈ کی دست درازی تھی اور نہ حکومت پرست ارباب دولت کی دل آزاری اور طعنہ زنی، ایک خدا پرستی اور اخلاص مندی کا عالم تھا، ایک للّٰہیت و صداقت کی دنیا تھی جو اس اسلامی مدرسہ کے اندر موجود معلوم ہوتی تھی

مولانا احمد دین چکوالی نے مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کے قیام پر ایک فارسی نظم لکھی اس تاریخی نظم کے چند منتخب اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں،

بعد از تحمید و صلوات و سلام
باد لائح بر ضمیر خاص و عام
در کراچی بندر از جہد اتم
مدرسہ جاری شدہ با انتظام
مولوی صاحب کہ عبد اللہ اوست
اندریں بنمود حسن اہتمام
رکن او ثانی سلیمان مولوی ست
در ہمیں جہد است ہر دم شاد کام
در چنین میمن میموں لقائے
ہمت علیا است و احسان تمام
اندر اخراجات ایں فیض نبیل
اوست تنہا مستقل اہل خدام
حاجی مہراں است ہم در وے سہیم
مہر قلبی را نمودہ التزام
ہمچوں ارکانِ شریعت چار یار
یا چو اربابِ طریقت ذی احترام
بل ازیں اربع عناصر معتبر
گشت ایں جسمِ معین را قوام
انِ خدا می خواہد احمد بہر شاں
ان یجازیہم بہا یوم القیام
سہ معلم بہر تدریس اند خاص
اندریں مشغل است ہر اشیا قیام
وز پئے طلاب ما یحتاج لہ
حسب امکاں دادہ خواہد شد مدام

سندھی و ہندی با صنف دگر
ہر یکے راحت درو ئے اذنِ عام
جائے ایں درس است در غربی شہر
نزد مچھلی مارکیٹ اے ذی احتشام
ایں محلہ چونکہ نو آباد گشت
باہمیں اسم است مشہور ایں مقام

دورِ ثانی مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کا دوسرا دور مولانا محمد صادق کے دور اہتمام سے شروع ہوا جس میں مدرسہ نے ہر اعتبار سے ترقی کی یہ دور کم و بیش تہائی صدی کو محیط ہے، اس زمانہ میں مدرسہ نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی، بلکہ صوبہ سندھ کی سیاسی، مذہبی، علمی و فکری تحریکوں کا مرکز بن گیا،

مولانا محمد صادق مولانا ۲۵ محرم ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۸۷۴ء کو کھڈہ (کراچی) میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار مولوی عبد اللہ سے پائی پھر مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کے صدر مدرس مولانا احمد دین چکوالی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، مولانا عبید اللہ سندھی کے مشورہ پر دورہ حدیث کی تکمیل کے لئے ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ (۱۰ مئی ۱۸۹۴ء) کو دار العلوم دیوبند پہنچے، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا خلیل احمد اور دوسرے اساتذہ سے استفادہ کیا، مولانا محمود حسن سے خصوصی تعلق رہا، ان کے معتمد خاص ٹھہرے تا آنکہ ان کی ملی و سیاسی تحریکات کے خاص رکن اور راز دان قرار پائے، محرم ۱۳۱۳ھ میں مولانا محمد صادق نے سندِ فراغ حاصل کی، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر علماء ان کے ہم درس رہے،

مولانا محمد صادق نے کراچی واپس آکر اپنے والد ماجد کی زیر نگرانی مدرسہ عربیہ مظہر العلوم میں درس و تدریس کا کام شروع کیا اور ان کی تنخواہ دو روپے ماہوار مقرر ہوئی، جب مولانا محمد صادق اپنے والد کے انتقال کے بعد مدرسہ کے مہتمم مقرر ہوئے تو انہوں نے تنخواہ لینی بند کردی اور آخر عمر تک بلا معاوضہ کام کرتے رہے، مولانا نے طب کی تعلیم حاصل کی تھی اس میں خاصا تجربہ اور ملکہ حاصل ہوگیا تھا، رجوع خلق خوب ہوتا تھا، اور دواخانہ سے اتنی آمدنی ہوجاتی تھی جو ان کے اخراجات کے لئے کافی ہوتی تھی"

ریشمی رومال کی تحریک مولانا محمد صادق شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے خاص شاگرد اور معتمد علیہ تھے جب شیخ الہند نے تحریک کو تیز کیا تو صوبہ سندھ سے انہوں نے دو رفیق و راز دار مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد صادق منتخب کئے، جب ۱۳۲۷ھ میں دیوبند میں جمعیۃ الانصار کا قیام عمل میں آیا تو اس کے روح رواں مولانا عبید اللہ سندھی تھے اور مولانا محمد صادق خاص رکن تھے، ۱۳۲۸ھ کو دار العلوم دیوبند میں دستار بندی کا جلسہ منعقد ہوا جس میں تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی، اس کے بعد جمعیۃ الانصار کا پہلا جلسہ مراد آباد شوال ۱۳۲۸ھ اپریل ۱۹۱۱ء میں منعقد ہوا، اس جلسہ کے بعد انگریزوں کے خلاف باندازِ خاص کام ہونے لگا اور ملک میں شیخ الہند کی تحریک کے آٹھ مراکز قائم ہوئے، کراچی، سندھ اور لسبیلہ کے مرکز کے کمانڈر مولانا محمد صادق مقرر ہوگئے، ایک منصوبہ یہ تھا کہ جب ترکی کی فوجیں ہندوستان پر حملہ آور ہوں تو اندرونِ ملک سے ان کو مدد ملے اس سلسلہ میں سندھ اور شمالی مغربی سرحد پر مندرجہ ذیل چار محاذ قائم کئے گئے،

۱، قلات و مکران کے قبائل ترکی فوج کی قیادت میں کراچی پر حملہ کریں

۲، غزنی و قندھار کے قبائل ترکی فوج کے ہمراہ کوئٹہ کے محاذ پر حملہ کریں

۳، درہ خیبر سے مہمند و مسعودی قبائل کے ہمراہ ترکی فوج پشاور پر حملہ کرے

۴، کوہستانی قبائل کو ساتھ لے کر ترکی فوج اوگی کے محاذ پر حملہ کرے

ہر ایک محاذ پر ایک ایک انقلابی لیڈر مقرر ہوا، قلات کے محاذ پر مولانا محمد صادق کوئٹہ کے محاذ پر حافظ تاج محمود سندھی، درہ خیبر کے محاذ پر حاجی ترنگ زئی اور اوگی کے محاذ پر مولانا محمد اسحاق تھے"

جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں جب عراق میں ترکوں کے خلاف انگریزی فوجیں لڑ رہی تھیں تو اس زمانہ میں مولانا محمد صادق نے لسبیلہ میں انگریزوں کے خلاف مینگل قبائل میں بغاوت کرادی اس وقت مینگلوں کے سردار نور الدین مینگل تھے جو مولانا محمد صادق کے نہایت معتقد تھے مولانا محمد صادق کے اشارہ پر انہوں نے

بغاوت کر دی۔ اس دوران میں عراق میں
انگریزوں کی مدد کے لئے تیس ہزار فوج بندرگاہ
کراچی سے عراق بھیجی جارہی تھی لیکن لسبیلہ
میں مینگلوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے
لسبیلہ بھیج دی گئی، اور عراق کمک نہ پہنچ
سکی نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی فوج نے انگریزوں کو
کوت العمارہ میں محصور کر دیا، انگریزوں کی
سترہ ہزار فوج ماری گئی اور ستر ہزار فوج
اپنے کمانڈر سمیت گرفتار ہو گئی، اس طرح
مولانا محمد صادق کے حسن تدبیر سے انگریزوں
کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

آخر میں یہ راز فاش ہو گیا، اور ۸ مئی
۱۹۱۶ء کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت
مولانا محمد صادق کو گرفتار کر کے کاروار جیل
ضلع کناڈا (مہاراشٹر) میں نظر بند کر دیا گیا
تین سال نظر بند رہے اور چھ فروری ۱۹۱۹ء
کو کراچی لائے گئے اور بعد میں رہا کر دیئے گئے

ریشمی رومال کی تحریک میں مولانا محمد صادق
کے ماموں زاد بھائی شیخ محمد ابراہیم ولد شیخ
عبداللہ نے بھی مردانہ وار حصہ لیا یہاں
تک کہ وہ افغانستان ہی میں پیوند زمین
ہو گئے، ان کے سلسلہ میں سرکاری
نوٹ مظہر ہے،،

"ابراہیم شیخ آف سندھ ـــــ محمد
صادق کا بھتیجا جو کھڈہ کا مشہور متعصب
مولوی (اب نظر بند ہے) اور عبیداللہ کا
دوست ہے، شیخ محمد ابراہیم ایم اے نے
پونا میں تعلیم پائی ہے ۶ر فروری ۱۹۱۵ء
میں اسے حبیبیہ کالج کابل میں پروفیسر کی
جگہ مل گئی، جہاں وہ برطانیہ کا کٹر مخالف
بن گیا ـــ وہ کابل کا ایک بڑا انقلابی ہے
ایم عبیداللہ، محمد علی بی، اے قصوری کا
راجہ مہندر پرتاپ برکت اللہ وغیرہ کے ساتھ
سازشیں کرنے اور منصوبہ بنانے میں
اس نے بڑا نمایاں حصہ لیا ہے،

کہا جاتا ہے کہ شیخ ابراہیم اور محمد علی قصوری
کو ایم عبیداللہ نے خاص طور سے کابل بلایا
تھا کہ وہ وہاں جہاد کے لئے زمین ہموار
کر سکیں، جون ۱۹۱۶ء میں اسے محمد علی
کے ساتھ حبیبیہ کالج سے برطرف کر دیا گیا
۱۰ر جولائی ۱۹۱۶ء کو آزاد علاقہ کے لئے روانہ
ہو گیا، جہاں وہ شاید اس وقت بھی سرحد
پار کے ملاؤں، قبائیلیوں وغیرہ کو جہاد پر
اکسانے میں مصروف ہو گا، کہا جاتا ہے
کہ ۱۹۱۶ء میں اس نے براہ عرب جرمنی
جانے کی خواہش ظاہر کی تھی، جنود ربانیہ
کی فہرست میں میجر جنرل ہے

مولانا محمد صادق کے متعلق سرکاری پریس
نوٹ یہ ہے،،

محمد صادق مولوی آف سندھ ـــ جنود
ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے، سندھ
کے انتہائی کٹر وہابیوں میں شامل ہے
شیخ محمد ابراہیم ایم۔ اے سابق پروفیسر
حبیبیہ کالج (کابل) اس کا بھتیجا ہے
جنگ چھڑنے کے بعد سے یہ شخص روپوش
رہ کر جہاد کے لئے پروپیگنڈہ کر رہا ہے
عبیداللہ، پیر جھنڈے والا، اور دوسرے
منحرف سرہندی، سندھی پیروں کے
ساتھ اس کا تعلق ہے، سنہ ۱۹۱۵ء اور
سنہ ۱۹۱۶ء کے شروع میں قلات (بلوچستان)
کی شورش میں اس کا ہاتھ ہے اب وہ
کاروار میں نظر بند ہے "

سندھ کے دوسرے زعماء سیٹھ عبداللہ
ہارون حاجی، اور مولانا تاج محمود سندھی کی
ریشمی رومال کی تحریک کی سرگرمیوں کے سلسلہ
میں بھی مولانا محمد صادق کی رفاقت و دوستی
کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے،

علماء اور خلافت کمیٹی کا قیام

جب جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کمیٹی کا قیام
عمل میں آیا تو مولانا محمد صادق دیار سندھ
میں ان دونوں تحریکوں کے روح رواں
بن گئے،

۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو جمعیۃ علماء ہند کا
پہلا جلسہ مسلم ہائی سکول امرتسر میں ہوا
تو مولانا محمد صادق اس کے افتتاحی اجلاس
میں شریک تھے،

جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی کمیٹی کے رکن، اور
صوبہ سندھ کی جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور
خلافت کمیٹی، صوبہ سندھ، کے صدر و نائب
صدر رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس
منتظمہ کے بھی رکن رہے اور ان جماعتوں
کی پالیسی پر پوری طرح کاربند رہے،

۸ر جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں آل انڈیا
خلافت کانفرنس کا ساتواں اجلاس منعقد
ہوا، جس میں پولیس اور فوج کی ملازمت
کے خلاف فتویٰ دیا گیا، جس کے نتیجہ میں
مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسین
احمد مدنی، پیر غلام مجدد سرہندی، ڈاکٹر
سیف الدین کچلو وغیرہ گرفتار ہوئے اور
ان پر کراچی میں مشہور مقدمہ بغاوت چلایا
گیا، مولانا محمد صادق اس کانفرنس کے صدر
مجلس استقبالیہ تھے اور انہیں نے خطبہ

استقبالیہ پڑھا تھا،

مولانا محمد صادق نے مسلمانوں کی ہر تحریک میں حصہ لیا، جنگ بلقان وطرابلس کے موقعہ پر نہایت کوشش سے چندہ جمع کیا، سمرنا میں یونانیوں کے مظالم کے سلسلہ میں احتجاجی جلسے کرائے، جب اتحادیوں نے فلسطین میں یہودیوں کے لئے کوششیں کیں اور مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی ہندوستانی مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ہندوستان آئے اور انہوں نے کراچی میں جلسہ کیا تو مولانا محمد صادق نے مفتی اعظم کو اپنی ہمدردیوں کا یقین دلایا اور ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا،

جب ۱۹۲۵ء میں ابن سعود والی نجد نے حجاز مقدس پر حملہ کیا اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا تو اس موقع پر مولانا محمد صادق نے اہل مدینہ کی مالی و اخلاقی مدد کی،

انجمن نومسلمانان سندھ

سندھ میں بھرچونڈی اور ٹھیاری تبلیغ اسلام کے بڑے مراکز تھے یہاں کے مشائخ وعلماء کے دست حق پرست پر بہت سے غیر مسلم داخل اسلام ہوتے تھے کراچی میں مدرسہ عربیہ مظہر العلوم بھی تبلیغ و اصلاح کا اہم مرکز تھا، مولانا عبداللہ کے زمانے میں بھی تبلیغ وتذکیر کا کام ہوتا تھا۔ سندھ کے مشہور سیاسی رہنما شیخ عبدالمجید سندھی (ف ۱۹۷۹ء) بھی اسلام لانے کے زمانے میں مدرسہ عربیہ مظہر العلوم میں رہے مولانا عبداللہ نے نہایت محبت وشفقت کا اظہار کیا، شیخ عبدالمجید کا ختنہ بھی مدرسہ میں ہوا، جب شفایابی میں تاخیر ہوئی تو مولانا عبداللہ مرحوم نے باری تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں، اللہ تعالیٰ نے صحت و شفا بخشی، مولانا عبداللہ کے خلوص کا شیخ عبدالمجید سندھی کے دل پر گہرا اثر ہوا،

مولانا محمد صادق کے زمانہ میں اس شعبہ میں خاص ترقی ہوئی، شدھی اور سنگھٹن کے دور میں جب مہاسبھائیوں اور آریہ سماجیوں نے سندھ میں اپنی غیر سماجی سرگرمیاں تیز کردیں، یہاں کے امن و امان کو تہ و بالا کردیا، منصوبہ بندی کے تحت عورتوں اور بچوں کو اغوا کیا گیا اور لاڑکانہ کے سنجوگی شیخوں کو ورغلایا اور ان کے لئے ارتداد کا جال بچھایا تو اس زمانہ میں مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کا شعبہ تبلیغ و اصلاح خاصا فعال ہوگیا، مولانا محمد صادق نے اپنی سرگرمیاں تیز کردیں، ۱۹۲۵ء میں شیخ عبدالمجید سندھی کی صدارت میں ایک تبلیغی انجمن "انجمن نومسلمانان سندھ" قائم ہوئی، مولانا محمد صادق اس انجمن کے سرپرست اور خزانچی مقرر ہوئے، اس انجمن نے تبلیغ کے سلسلہ میں خوب کام کیا، انجمن کے تحت دار الشیوخ، دار التبلیغ جیسے مفید ادارے قائم ہوئے، مولانا محمد صادق کے ہاتھ پر بہت سے غیر مسلم، مسلمان ہوئے شیخ عبدالمجید ضمناً لکھتے ہیں،

"۱۹۲۵ء/۱۹۲۶ء میں ۱۳۲ آدمی جناب مولانا محمد صادق کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور سال زیر رپورٹ ۱۹۲۷ء میں ۶۷ افراد مسلمان ہوئے"

پھر ان تمام حضرات کے نام مع ولدیت اور اسلامی نام لکھے ہیں،

"انجمن نومسلمانان سندھ" کی دو شاخیں
(۱) انجمن مسلمانان میہڑ،
(۲) انجمن گلزار محمدی کراچی بھی تھیں، لاڑکانہ کے سنجوگی شیخوں کو آریہ سماجیوں نے اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کی مگر شیخ عبدالمجید سندھی اور مولانا محمد صادق وغیرہ کی کوششوں سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا، ان دونوں بزرگوں کی مساعی سے دوسرے اکابر سندھ مثلاً حاجی عبداللہ ہارون، نور محمد وکیل (حیدرآباد) خان بہادر شاہ نواز خان (لاڑکانہ)، محمد ایوب کھوڑو (لاڑکانہ) رئیس جان محمد خان (دھرکی) نے بھی تبلیغ کے کام میں دلچسپی لی اور امداد کا وعدہ کیا،

مولوی محمد عثمان دہلوی اور مولوی دین محمد وفائی کی کوششیں بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں،

آریہ سماج کے بعض اپدیشک اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو بھی مولانا محمد صادق کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، شیخ عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں

"مولوی محمد عثمان کا کام بے نظیر ہے جہاں جہاں آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کو چیلنج کیا وہاں وہاں مولوی صاحب نے پہنچ کر ان کے ہوش وحواس درست کردیئے، ٹھٹھہ میں سماجیوں سے مناظرہ میں مولوی صاحب کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ جو پنڈت مناظرہ میں مقابل تھا وہ خود کراچی آکر مولانا محمد صادق صاحب کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا"

شیخ عبدالرشید کے متعلق تحریر ہے کہ وہ "مسٹر لعل چند گیان سنگھ حیدرآباد سندھ

کی مشہور عامل قوم کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہیں، اور اخبار "قدیم بھارت" کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں، بہت سی سیاسی اور اخلاقی کتب کے مصنف ہیں اور انگریزی اخبار "ٹیوٹائمس" کے بطور مدیر معاون بھی کام کر چکے ہیں، اب انہوں نے اسلامی اصول کی صداقت اور قرآن حکیم کی عالمگیر تعلیم سے متاثر ہو کر مولانا مولوی محمد صادق کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا ہے، آپ کا اسلامی نام شیخ عبدالرشید رکھا گیا ہے خدا استقامت بخشے"

مولانا محمد صادق صاحب "انجمن نوجوانان سندھ" کے مستقل ماہوار چندہ ادا کرنے والے معاونین میں سے تھے، اور ان کے توسط سے انجمن کو کافی رقوم وصول ہوتی تھیں، جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام، انبالہ سے بھی انجمن نومسلمانان سندھ کا الحاق تھا، اور مولانا محمد صادق نے وقتاً فوقتاً جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ کی امداد کے لئے بھی دوسرے علماء کرام کے ساتھ اپیل کی، مولانا محمد صادق کی کوششوں سے ۱۹۳۸ء میں خالق دینا ہال کراچی میں مولانا حسین احمد مدنی کی صدارت میں تبلیغی کانفرنس ہوئی،

لواری کا قضیہ

لواری (تحصیل بدین ضلع حیدرآباد سندھ) میں نقشبندی مشائخ کی مشہور خانقاہ ہے جو کسی زمانہ میں اس دیار میں اصلاح و تبلیغ کا اعلیٰ مرکز تھی، امتداد زمانہ سے بعض غالی مریدوں نے اپنے مشائخ خصوصاً خواجہ محمد زمان کلاں (۱۱۲۵ھ تا ۱۱۸۸ھ / ۱۷۱۳ء تا ۱۷۷۴ء) کی شان میں غلو کیا، اور وہاں ۹ ذوالحجہ کو بعض ایسے مراسم ایجاد کئے جن سے حج کے بعض ارکان کی نقل ہوتی تھی، بعض علماء نے پہلے افہام و تفہیم کی کوشش کی مگر جب اصلاح کی کوئی صورت ظہور پذیر نہ ہو سکی تو مولانا محمد صادق نے لواری کے ان مراسم اور نقلی حج کے خلاف ایک محاذ قائم کیا، اور تمام حالات و واقعات پر مشتمل کلمۃ الحق کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا جو اردو اور سندھی دونوں زبانوں میں شائع ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان سندھ کے مطالبہ پر اس مصنوعی حج پر مکمل طور سے پابندی عائد کر دی گئی، اب سنا ہے کہ ان مراسم میں کافی اصلاح ہو گئی ہے

غازی عبدالقیوم

۱۹۳۵ء میں ایک شخص نتھو رام نے انگریزی زبان میں تاریخ اسلام لکھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ایک غیور مسلمان عبدالقیوم نے اس گستاخ مصنف کو قتل کر دیا آخر عبدالقیوم نے بھی پھانسی پا کر شہادت کا درجہ حاصل کیا، اس مقدمہ میں بھی مولانا محمد صادق نے بہت مدد کی، اور عبدالقیوم شہید کی بیوہ کو مالی امداد دلواتے رہے، غازی علم الدین لاہور اور غازی عبدالقیوم کراچی کے واقعات سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے "لاہور و کراچی" کے عنوان سے مندرجہ ذیل اشعار لکھے"

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا ہے، فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لاتدع مع اللہ الٰہاً آخر

صوبہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی

انگریزوں نے اپنے خاص مقاصد اور سندھ کے مسلمانوں کی اکثریت کو ختم کرنے کی غرض سے صوبہ سندھ کو احاطہ بمبئی کے ساتھ شامل کر دیا، اس طرح مسلمانوں کی سیاسی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی اور ہندوؤں کو ہر میدان میں برتری اور فوقیت حاصل ہو گئی، ملک میں جب قومی تحریکات کا زور ہوا تو مسلمانان سندھ کو بھی خیال ہوا، اور انہوں نے احاطہ بمبئی سے صوبہ سندھ کی علیحدگی کا مطالبہ کر دیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے سخت جدوجہد کی، دوسرے زعماء سندھ کے ساتھ مولانا محمد صادق نے بھی سندھ کی علیحدگی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا، اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آواز بلند کی

جمعیۃ علماء ہند کا آٹھواں اجلاس ۲،۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کو پشاور میں زیر صدارت مولانا انور شاہ کشمیری منعقد ہوا، جس میں مولانا محمد صادق نے صوبہ سندھ کی علیحدگی کی تجویز پاس کرائی،،

۷ جولائی ۱۹۲۵ء کو سندھ مسلم پولیٹیکل کانفرنس کا اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر محمد عالم بیرسٹر ایٹ لاء، ایم، ایل، سی (پنجاب) کراچی میں منعقد ہوا، اپنے خطبہ صدارت میں ڈاکٹر محمد عالم نے سندھ کی علیحدگی کے مسئلہ پر تاریخی آئینی، اقتصادی، سیاسی، غرض ہر طرح سے روشنی ڈالی اور کانگریسیوں اور مہاسبھائیوں کے

پادری اعتراضات کی دھجیاں بکھیر دیں

۳۱ مارچ - یکم اپریل ۱۹۳۱ء کو جمعیۃ علمائے ہند کا دسواں سالانہ اجلاس مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت کراچی میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں نہ صرف صوبۂ سندھ کی علیحدگی کی باقاعدہ تجویز پاس ہوئی بلکہ مولانا محمد صادق نے جو مجلس استقبالیہ کے صدر تھے اپنے خطبہ استقبالیہ میں سندھ کی علیحدگی پر نہایت تفصیل سے اظہار خیال کیا، مولانا کا یہ مضمون چار صفحات پر مشتمل ہے"۔

اس کے بعد جمیعۃ علمائے ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس ۳ اگست ۱۹۳۱ء کو سہارنپور میں ہوا جس میں ہندوستان کی خود مختار حکومت کے دستور اساسی کا فارمولا پیش کیا گیا اور اس میں مولانا محمد صادق کی کوشش سے ایک دفعہ صوبہ سندھ کی احاطہ بمبئی سے علیحدگی کی بھی رکھی گئی، مولانا محمد صادق اور دیگر زعماء سندھ کی کوششوں سے ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے تحت ۱۹۳۶ء میں احاطہ بمبئی سے علیحدہ ہو کر کی علیحدگی عمل میں آئی"۔

بقیہ: اسلام اور عدل و احسان

سزا کا مستحق قرار دیا۔ (سورۃ نور آیت ۴) اور ایسے شخص کو دنیا و آخرت کی لعنتوں کا مستحق گردانا (نور ۲۳) اور دورِ جاہلیت کے جو لوگ "صنف نازک" کو بدکاری پر مجبور کرتے انہیں سخت ترین تنبیہ فرما کر اس حرکت سے روکا تاکہ عورت کی عفت و عصمت کی حفاظت ہو سکے۔ (نور ۳۳) سیرت نبوی کا وہ واقعہ جس میں آپ نے مشہور سخی حاتم طائی کی کافرہ بیٹی کے ننگے سر پر اپنی چادر ڈال دی جب کہ وہ جنگی قیدی کے طور پر آپؐ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ عورت کے متعلق اسلام کے عدل و احسان کی ایسی درخشاں مثال ہے کہ باید و شاید!

قرآن و سنت کے یہ ارشادات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ عورت کا اسلام میں کیا مقام ہے اور اسلام اسے کس نظر سے دیکھتا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ اس کے فطری شرم و حیا کے تقاضوں کو پامال کر کے اسے تعلیم و تربیت دی جائے تو یہ اس کے حق میں عدل و احسان نہیں بلکہ ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنّت کے ارشادات پر عمل کی توفیق دے۔

شاہ ولی اللہ کا فیصلہ کن معرکہ [۲]

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ)، مختار احمد گیلانی ،

احمد شاہ ابدالی تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہوا، اور میرٹھ کے نزدیک باغپت کے سامنے سے رات کی تاریکی میں خاموشی سے دریا پار کر گیا،

مؤرخین کے مطابق شاہ سیلاب کی وجہ سے بہت پریشان تھا، تمام عبور کرنے والے راستے خطرناک ہو گئے تھے، تین دن تک مناسب راستہ کی تلاش رہی آخری رات شاہ نے سجدے میں گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعاء مانگی اور پھر ایک اچھا راستہ مل جانے پر دریا کو تمام فوج نے پار کر لیا، دوسرے ہی دن فوج کے ہراول دستے نے شاہ پسند خان کی سرکردگی میں مرہٹوں کے ایک دیکھ بھال والے دستے کو فنا کر دیا، جوں ہی بھاؤ کو شاہ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی اس نے ایک بھاری دستہ روکنے کے لئے روانہ کیا، ۲۸ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو پانی پت سے ۱۲ میل جنوب میں اسرائے سنبالکہ دونوں فوجوں کے ہراول دستوں میں زبردست جھڑپ ہوئی، شاہ کا دستہ کامیاب رہا،

۲۹ اکتوبر کو تمام مرہٹہ فوج پانی پت پہنچ گئی پہلی نومبر ۱۷۶۰ء کو شاہ بھی تمام فوج کے ہمراہ پانی پت کے جنوبی میدان میں اتر آیا، مرہٹوں نے شہر اور شہر کے شمال مغرب کی جانب تمام علاقہ پر کیمپ لگا لیا، انہوں نے فوراً دفاعی مورچے کھودنے شروع کر دیئے، ایک ہندو مؤرخ کے مطابق کیمپ کے اردگرد ۱۲ فٹ گہری اور ۶۰ فٹ چوڑی ایک خندق کھودی گئی، جگہ جگہ دیکھ بھال کے دستے مقرر کئے گئے برج بلند بنائے گئے، توپیں نصب کی گئیں، شاہ کی فوج اور مرہٹوں کے درمیان تقریباً ۲ میل کا فاصلہ تھا، شاہ کے کیمپ کا حصار تقریباً ۸ میل تھا

لڑائی کا تیسرا اور آخری مرحلہ بیان کرنے سے قبل طرفین کی تعداد اور قیادت کا ذکر ضروری ہے، طرفین کی تعداد کے بارے میں پرانے مؤرخین میں بہت کم اختلاف ہے، البتہ بیسویں صدی کے کئی ہندو مؤرخین مرہٹوں کی تعداد احمد شاہ ابدالی کی فوج کی تعداد سے کم بتاتے ہیں بیشتر انگریز اور پرانے ہندو مؤرخین نے مرہٹوں کی تعداد زیادہ ہی بتائی ہے،

سردار گنڈا سنگھ جس نے ۱۹۵۹ء میں احمد شاہ ابدالی پر ایک کتاب لکھی ہے، مرہٹوں کی تعداد صرف ۴۵ ہزار اور شاہ کی فوج کی ۶۰ ہزار لکھی ہے، اس نے ملہار راؤ ہلکر اور دوسرے مرہٹہ سرداروں کے تحت لڑائی کے دن ۳ ہزار اور کسی کے ۷ ہزار کا دستہ بتایا ہے، حالانکہ یہی مرہٹہ سردار روہیلوں کے خلاف اور دوسری لڑائیوں میں بھی کبھی ۲۰ ہزار اور کبھی ۴۰ ہزار فوج سے حصہ لیتے رہے تھے، مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ گنڈا سنگھ نے مرہٹوں سے کمزور روہیلہ سرداروں کے تحت لڑائی کے دن شاہ کی فوج میں ۱۵ ہزار، ۳۰ ہزار، اور ۴۱ ہزار فی دستہ تک تعداد بتائی ہے، جب کہ یہی سردار کبھی بھی مرہٹوں کے خلاف مؤثر کاروائی کرنے کے اہل نہ تھے، اگر مرہٹے ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے تمام مہاراشٹر سکھوں اور جاٹوں کے علاقے سے صرف ۴۵ ہزار فوج (جس میں بقول گنڈا سنگھ ابراہیم گاردی کا دستہ ۸ ہزار کا بھی شامل تھا) جمع کر سکتے تھے تو شاہ ولی اللہ اور دوسرے مسلمان حکمران خود ہی مقابلہ کر سکتے تھے انہیں احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینے کی ضرورت نہ تھی،

دتا اور موجداد ہندو مؤرخ (کتاب شائع شدہ ۱۹۴۶ء)، مرہٹوں کی تعداد ۵۵ ہزار اور شاہ کی ۶۰ ہزار لکھتے ہیں، مرہٹہ نقصان کے بارے میں یہی مؤرخ لکھتے ہیں کہ لڑائی میں ہزاروں مرہٹہ مارے گئے تھے اور احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ ۵۰۰ سو ہاتھی، ۵۰ ہزار گھوڑے، اور دو لاکھ مویشی آئے تھے،

سادر کر ہندو اور متعصب ترین مؤرخ ۱۹۲۵ء نے مرہٹوں کی تعداد بمعہ ابراہیم کا دستہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار لکھی ہے، نقصان کے بارے میں تعداد تو درج نہیں کی، البتہ سادر کر لکھتا ہے کہ مرہٹہ قوم کے بیشمار بہادر سپوت مارے گئے اور ہر گھر میں سوگ منایا گیا،

توپ خانہ بلاشبہ مرہٹوں کا بہترین تھا کیونکہ

توپ خانہ اور یورپی طرز کا سکھلایا ہوا بہترین منظم فوجی دستہ ابراہیم گارڈی کے زیر قیادت تھا، مختلف سائزوں کی توپوں کی تعداد کم از کم ۳ سو تھی جب کہ احمد شاہ ابدالی کے پاس دو سو توپیں تھیں، لاہور کی مشہور زمزمہ توپ پانی پت کی تیسری لڑائی میں استعمال کی گئی تھی، یہ توپ شاہ نذیر نے لاہور کے ہندوؤں سے وصول کئے ہوئے جزیہ کی رقم سے شاہ کے لئے ۱۷۵۷ء میں بنائی تھی، جادو ناتھ سرکار ۱۹۱۷ء مشہور مؤرخ مرہٹہ نقصان کے بارے میں لکھتا ہے،،

"مہاراشٹر کا کوئی گھر نہ ہوگا جہاں جنگ میں مرے ہوئے ایک مرہٹے کا سوگ نہ منایا گیا ہو اور کئی گھروں میں ایک سے زائد موتوں کا سوگ منایا گیا تھا،

کئی مؤرخین مرہٹہ قیدیوں کی تعداد ۹۰ ہزار کسی نے ۴۰ ہزار اور کسی نے دو لاکھ سے اوپر بتائی ہے، ڈف گرانٹ ڈف کی کتاب ۱۸۲۶ء میں شائع ہوئی اور ۱۸۰۸ء مرہٹہ دربار میں انگریزوں کی جانب سے پولیٹیکل اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ۱۸۲۲ء تک رہا تھا، نے مرہٹہ فوج کی تعداد تقریباً ۲ لاکھ ۴۴ ہزار اور ۲ سو توپیں لکھی ہے، شاہی فوج کی تعداد ایک لاکھ ۴۰ ہزار اور ۷۰ توپیں بتائی ہے، مرہٹوں کے نقصان کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ، ۲ لاکھ مرہٹہ جانیں فنا ہو گئیں اور صرف ¼ حصہ واپس پہنچنے میں کامیاب رہا تھا،

چونکہ مرہٹے شکست کھا گئے تھے اس لئے مرہٹہ سرداروں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے ضرور تعداد وغیرہ میں غلط بیانی بھی کی ہوگی پھر بھی ڈف کے مطابق احمد شاہ ابدالی کی تعداد مرہٹوں سے ایک لاکھ بیس ہزار کم تھی،

محمد جعفر شملو (جو شاہ پسند خان کی فوج میں بانیا کا داروغہ تھا) خود اس لڑائی میں شامل تھا اور لڑائی کے دن شاہ کے بائیں بازو کے آخری حصے کا سالار تھا، اس کے مطابق بھاؤ اور وشواس راؤ کی فوج کی تعداد ۲½ لاکھ اور ۳ سو توپیں تھیں، جبکہ شاہ اور اس کے اتحادیوں کی تعداد تقریباً ۲ لاکھ دس ہزار اور ۳ سو توپیں تھیں، مرہٹہ نقصان کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ صرف ۵۰ ہزار دکن پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے ۲ لاکھ کے قریب قیدی بنائے گئے اور ۵ ہزار میدان جنگ میں مارے گئے تھے،

ایلین اور سیتھی (کتاب ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی) نے مرہٹہ فوج کی تعداد ۳ لاکھ ۸۰ ہزار اور ۲۰۰ توپیں بیان کی ہے، کنکیڈ اور سمتھ (کتاب ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی) نے مرہٹوں کی تعداد ۲ لاکھ ۸۰ ہزار بتائی ہے،

مرہٹے عیش پرست بھی بن گئے تھے، ان کے لشکر میں سرداروں کی بیویاں، لونڈیاں اور سامان تعیش موجود تھا، حرم کے ہمراہ نوکروں کا قافلہ بھی تھا، فوج کا ہر فرد لالچی تھا، لوٹ مار اور دولت جمع کرنا ان کا شیوہ بن چکا تھا"

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہو گیا کہ مرہٹہ فوج شاہ کی فوج سے کافی زیادہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ احمد شاہ ابدالی حملے کا آغاز نہ کرنا چاہتا تھا، اس کی کوشش یہی تھی کہ جتنا ممکن ہو سکے وہ بغیر کسی فیصلہ کن جنگ کے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا کر مفلوج کر دے،

جب دونوں فوجیں مقابل آ گئیں تو احمد شاہ ابدالی نے حالات کا جائزہ لے کر مناسب سکیم بنائی، شاہی کیمپ کے ارد گرد درخت گرا کر رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، مرہٹہ فوج کے بارے میں پوری خبر حاصل کرنا بہت ضروری تھا، اس کام کے لئے ضروری دیکھ بھال سواروں پر مشتمل دستے مقرر کئے گئے اس کے علاوہ جاسوس بھی مرہٹہ کیمپ میں چھوڑے گئے،

چند ہی روز بعد احمد شاہ ابدالی کو یقین ہو گیا کہ مرہٹے فی الحال پہل کاری سے گریز کر رہے ہیں، انہوں نے بڑی خندق کا حصار کیمپ کے ارد گرد کھود رکھا تھا، مرہٹوں کی زیادہ آمد و رفت کے راستے جنوب اور جنوب مغرب کی جانب تھے، اس لئے شاہ نے بھاری چھاپہ دستے تمام راستوں پر ناکہ بندی کے لئے بٹھا دیئے، یہ دستے آنے جانے والے مرہٹہ دستوں پر اچانک حملہ کر کے نقصان پہنچاتے، اور ہراساں کرتے،

اس جارحانہ کاروائی سے مرہٹوں کا پیغام رسانی، کمک، سامان رسد وغیرہ کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا، مرہٹہ کیمپ میں جلد ہی خوراک کی کمی محسوس ہونے لگی، فوج کی تنخواہ بھی رک گئی اس وجہ سے فوج میں اضطراب اور پریشانی پھیلنے لگی،

احمد شاہ ابدالی کا رسد و رسائل کا راستہ محفوظ تھا، کیونکہ اسے خوراک وغیرہ دریائے جمنا کے مشرقی کنارے سے دوآبہ کے علاقے سے حاصل ہو رہی تھی، جب مرہٹے خوراک کی کمی سے تنگ آنے لگے تو انہوں ابراہیم گارڈی کی زیر قیادت شاہ کے کیمپ پر ۱۹ نومبر ۱۷۶۰ء کو شب خون مارا، مگر

دو میلہ دیکھ بھال اور لڑاکا دستے نے شب خون ناکام بنا دیا، ۲۲ نومبر ۱۷۶۰ء کو مرہٹہ سردار جانکوجی نے اپنے دستے سے حملہ کیا مگر وہ بھی بھاری جانی اٹھا کر پسپا ہو گیا،

۲۹ نومبر کو ملہار راؤ ہلکر نے پندرہ ہزار سواروں سے شاہی کیمپ کے قلب پر حملہ کیا مگر یہ بھی بھاری نقصان اٹھا کر ناکام بھاگ گیا

۷ دسمبر کو روہیلوں نے مرہٹہ کیمپ پر رات کو حملہ کیا اسی رات ایک مرہٹہ دستہ بھی حملہ کی غرض سے شاہ کے کیمپ کی جانب بڑھ رہا تھا، دونوں میں راستہ ہی میں تصادم ہو گیا اور روہیلہ دستہ مرہٹوں کو دھکیل کر دشمن کے ہندو بستی کے علاقے میں پہنچ گیا اور بھاری نقصان پہنچانے کے بعد واپس کیمپ میں لوٹ آیا،

انہی دنوں گوبند بلال ایک بھاری تیز رفتار دستہ (۱۲ ہزار سوار) لے کر خوراک اکٹھا کرنے اور شاہ کے رسد ورسائل کے راستوں (دوآبہ) پر قبضے کی غرض سے میرٹھ کی طرف بڑھنے لگا، یہ خبر ملتے ہی خود احمد شاہ ابدالی کئی روز دیکھ بھال کی غرض سے ۶۰ یا ۷۰ میل ہر روز (بقول راؤ بہادر پرسنس) علاقے میں سفر کرتا رہا، پھر ایک دن غوشی سے ایک تیز رفتار دستہ (دو ہزار) کریم داد خان اور میر عطائی خان کی قیادت میں گوبند بلال پر اچانک حملے کی غرض سے بھیجا،

اس دستے نے حیرت انگیز رفتار سے ۱۴ گھنٹوں میں ۵۰ کوس طے کر کے ۱۷ دسمبر بوقت غفلت کو گوبند بلال کی جنگاہ (نزد باغپت) پر اچانک حملہ کر دیا گوبند بلال اور کئی ہزار مرہٹے مارے گئے، باقی مرہٹے دہشت سے دکن کی جانب بھاگ گئے، شاہ کے اس دستے نے گوبند بلال کے خوراک کے ذخیرہ پر قبضہ کر لیا اور خوراک کی کمی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا، ادھر پانی پت کے کے شمال میں دلیر خان نے کنجپورہ کے مقام پر مرہٹہ خوراک کے ذخیرے پر اچانک قبضہ کر لیا

خوراک کے ان دو ذخیروں کے کھو جانے کا مرہٹہ سرداروں کو بہت افسوس ہوا کیونکہ مرہٹہ کیمپ میں خوراک کی حالت بہت نازک ہو چلی تھی، البتہ شمال مغربی راستے سے پٹیالہ کا سردار آلہ سنگھ کچھ خوراک بھیجنے میں کامیاب ہو گیا تھا ادھر سورج مل نے خفیہ طور پر مرہٹہ کیمپ میں ایک کروڑ روپیہ بھیج دیا

مرہٹہ سپہ سالار بھاؤ، شاہ کے کامیاب حملوں اور ناکہ بندی سے بہت پریشان تھا اس نے شاہ کے کیمپ پر اچانک زبردست شب خون مارنے کا فیصلہ کیا تاکہ کامیابی حاصل کر کے مرہٹہ فوج کے حوصلہ کو بلند کیا جا سکے " ۲۳ دسمبر ۱۷۶۰ء کو بہادر سردار بلونت راؤ کے زیر قیادت ۲ ہزار (بقول رصا درکر) سواروں نے شاہ کے کیمپ پر حملہ کیا مگر خونریز جھڑپ کے بعد بلونت راؤ مارا گیا اور مرہٹے بھاری نقصان اٹھا کر ناکام اپنے دفاعی مورچوں میں واپس آگئے

۹ جنوری ۱۷۶۱ء کو پراشر دادجی ایک ہزار دستہ کی حفاظت میں خوراک اور بھاری رقم مرہٹہ کیمپ کی جانب لے جا رہا تھا کہ جہان خان اور شاہ پسند خان کے دیکھ بھال اور چھاپہ دستوں نے پکڑ لیا، مؤرخین کے مطابق ہر سپاہی نے ۲ ہزار روپیہ کی تھیلی جسم کے ساتھ باندھی ہوئی تھی، اس طرح تقریباً ۲۰ لاکھ روپیہ اور خوراک کا ذخیرہ شاہ کے ہاتھ لگا، اب مرہٹہ کیمپ میں حالات ازحد نازک ہو گئے تھے۔ مویشی بھوک سے مرنے لگے، تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے فوج بددل ہو چکی تھی، اب تک شاہ سے جھڑپوں میں شکست کھا کر فوج کا حوصلہ پست ہو چکا تھا، اب صرف چند روز کی خوراک باقی تھی، البتہ دکن میں پیشوا ایک بھاری امدادی لشکر تیار کر رہا تھا، مگر یہ لشکر ایک ماہ سے پہلے نہ پہنچ سکتا تھا، دہلی میں مقیم مرہٹہ سردار نارو شنکر بھی فوری امداد دینے سے قاصر تھا کیونکہ تمام راستوں پر شاہ کا قبضہ تھا گھبراہٹ اور خوف پھیلنے لگا۔

مرہٹوں نے ایک بار پھر چال چلی اور شاہ کو ہر قیمت پر صلح کی پیشکش کی، مگر شاہ ولی اللہ قاضی ادریس، اور روہیلوں نے حملے کے لئے زور دیا، مرہٹوں نے شجاع الدولہ کو بھی بہت لالچ دیا مگر ان کی کوئی تجویز نہ مانی گئی، بھاؤ نے ایک خاص جاسوس کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اب پیالہ لبالب بھر چکا ہے اور اس میں ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں ہے"

۱۳ جنوری کی شام کو بھاؤ نے تمام سرداروں کو اکٹھا کیا، انہیں حملے کی سکیم بتائی، انہیں یاد دلایا کہ " بھگوا جھنڈا" رام داس نے سیواجی کو ہندو پدپاشاہی کے حاصل کرنے کے لئے سونپا تھا، اس لئے اب سب کا مقدس فرض فتح حاصل کر کے جھنڈے کو دہلی پر لہرانا ہے سرداروں نے لڑائی کی مرہٹی رسومات ادا کیں، ہلدی مل گئی، پان بیڑہ تقسیم کیا گیا، زعفران کے تلک لگائے گئے اور سب کو جان توڑ کر لڑنے کی قسمیں دی گئیں، ادھر جاسوسوں کے ذریعے شاہ کو بھی مرہٹوں کے بارے میں اطلاع مل گئی، آخر مرہٹوں نے پہل کاری کا فیصلہ کر لیا جس کا انتظار احمد شاہ ابدالی

چند ہفتوں سے کر رہا تھا۔

۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء مرہٹوں کے جرنیل بھاؤ نے
سب سے مشورے کے بعد توپخانہ فوج
کی صفوں کے سامنے نصب کر دیا، بائیں جانب
ابراہیم گاردی بہترین تربیت یافتہ دستہ تھا
اس کے ساتھ ہی بائیں بازو میں وشونت راؤ
پلاو داماجی گیکواڈ اور روٹھل زشودیو اپنے
دستوں کے ساتھ موجود تھے، درمیان اور قلب
میں جرنیل سودلیش راؤ بھاؤ، وشواس راؤ
(اعزازی سپہ سالار اعظم کیونکہ وہ پیشوا کا لڑکا تھا)
اور مکند سندھے، تمام فوج کے نصف حصہ کے
ساتھ تھے، دائیں بازو کی حفاظت ملہار راؤ ہلکر
جانکوجی سندھیا، جیونت راؤ، اور انتاجی شمشیر
بہادر کے دستوں کے سپرد تھی، سواروں کے
چند دستے فوج کے ہر حصے میں جوابی کاروائی
کے لئے ریزرو رکھے گئے تھے، ہاتھی ہر حصے میں
صفوں کے آگے تھے ہاتھیوں پر ہلکی نزدیک مار
توپیں رکھی ہوئی تھیں تاکہ فوری امداد دی
جا سکے مرہٹہ سردار ہاتھیوں پر سوار تھے۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنی فوج کو چار بڑے
حصوں میں تقسیم کیا، دائیں بازو میں احمد خان
بنگش، حافظ رحمت، دوندی خان، اسد اللہ خان
امیر بیگ اور برخوردار موجود تھے، فوج کے درمیانی
حصے اور عقب میں، عطائی خان، کریم داد خان،
شاہ ولی خان وزیر اعظم، اور خود احمد شاہ ابدالی
مختلف دستوں کی قیادت کر رہے تھے،

محمود خان کرد قلب میں ۹ ہزار سواروں کے ساتھ
ضرورت کے وقت کمک پہنچانے کے لئے موجود
تھا، جنگ کے دوران بازوؤں اور سامنے کی
طرف ضرورت کے وقت اسی دستہ نے مدد
دینی تھی۔

دائیں جانب شجاع الدولہ، نجیب خان
شاہ پسند خان اور جہان خان کل فوج کے
تقریباً ۱/۴ حصہ کے ساتھ موجود تھے، عقب
میں احمد شاہ ابدالی نے حاجی جمال بارک زئی
کے زیر قیادت چند میل دور دس ہزار سوار
پر مشتمل بانگل دستہ چھپا رکھا تھا، یہ دستہ
لڑائی کے نازک موقعہ پر پانسہ پلٹنے کی خاطر
استعمال میں لانا تھا، اس کے علاوہ ہر بازو
میں اپنے اپنے سالار کی زیر قیادت ریزرو
دستہ تھا، شاہ کا توپ خانہ بھی ہر حصے
کو بانٹ دیا گیا، توپ خانے کا زیادہ حصہ
صفوں کے سامنے رکھا گیا، شاہی فوج
میں دو ہزار زمبورک اونٹ تھے، ہر اونٹ
پر دو اچھے نشانہ باز تھے ان کے پاس
اچھی قسم کی راکٹ پھینکنے والی توپیں تھیں
ان کا مقصد ہاتھیوں کو بھگانا اور چیدہ
چیدہ مرہٹہ سرداروں کو نشانہ بنانا تھا
لڑائی کا آغاز مرہٹوں نے تقریباً آٹھ بجے صبح
۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو کیا، سب سے پہلے
ابراہیم گاردی اور دوسرے مرہٹہ سرداروں نے
احمد شاہ ابدالی کے دائیں بازو (روہیلوں)
پر زبردست گولہ باری اور پیش قدمی کرتے
ہوئے سواروں اور پیدل دستوں سے حملہ
کیا، چند گھنٹوں کی خونریز جنگ کے بعد
ابراہیم گاردی بھاری نقصان اٹھا کر پسپا
ہو گیا، روہیلوں کا بھی خاصا نقصان ہو گیا
مگر ریزرو دستے کی کاروائی نے حالات پر قابو
پا لیا، ابراہیم گاردی وشونت راؤ اور داماجی
گیکواڈ وغیرہ کی پسپائی کے بعد جانکوجی سندھیا
اور ملہار راؤ ہلکر نے شاہ کے بائیں بازو پر
"ہر ہر مہادیو" کے نعروں سے حملہ کیا، اس
کے فوراً بعد بھاؤ نے شاہ کے قلب پر زوردار
حملہ کیا شاہ ولی خان کا دستہ کثیر تعداد "ہر ہر
مہادیو" کے نعرے لگاتے ہوئے مرہٹوں
کے دباؤ کی وجہ سے آہستہ آہستہ پسپا ہونے
لگا مگر محمود خان کرد کی فوری امداد نے مرہٹوں
کو روک لیا،

اب دست بدست لڑائی ہونے لگی
شاہ کے زمبورک ہاتھیوں کو روکنے میں
کامیاب ہو گئے تھے، فضا میں ہر ہر مہادیو
اور نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی صدائیں گونج رہی تھیں
بھگوا جھنڈا قلب میں لہرا رہا تھا، چند زمبورک
شتر سوار مرہٹہ صفوں میں گھس گئے اور وشواس
راؤ کے ہاتھی کو نشانہ بنایا قریب ہی سودلیش راؤ
بھاؤ سپہ سالار ہاتھی پر سوار تھا اسے بھی نشانہ
بنا لیا گیا، دونوں مرہٹہ سردار مارے گئے بھگوا
جھنڈا سرنگوں ہو گیا، مرہٹہ ابھی تک جان
توڑ کر لڑ رہے تھے تقریباً دو بجے دوپہر شاہ
حاجی جمال بارک زئی کو ۱۰ ہزار بانگل سواروں
کے ساتھ حملہ کا حکم دیا، یہ خاص سواروں
کا دستہ مرہٹہ قلب پر ٹوٹ پڑا، بندوقوں
کے بعد سواروں نے تلواریں سنبھال لیں اور
مرہٹوں کے پاؤں اکھڑنے لگے، شاہ کے
بائیں بازو نے بھی شاہ پسند خان، جہان خان،
نجیب خان کے زیر قیادت جوابی کاروائی
شروع کر دی، جانکوجی سندھیا اور ملہار راؤ
ہلکر سب سے پہلے میدان سے بھاگ گئے
شاہ کے سواروں نے بھگوڑوں کا پیچھا کرنا
شروع کر دیا تاکہ کہیں عقب میں جاکر دوبارہ
دہلی میں قلعہ بند نہ ہو جائیں،

محمد جعفر شملو لکھتا ہے کہ ہزاروں مرہٹہ

سوار اپنی بندوقوں کا رخ زمین کی طرف کئے بغیر کسی طرف دیکھنے کے تیزی سے بھاگے جا رہے تھے اور اس قدر ہراساں تھے کہ محمود جعفر شملو چند سواروں کے ہمراہ کئی گھنٹے تک بھاگتے ہوئے مرہٹہ سواروں میں سے گذرتا ہوا واپس سلامت اپنے دستہ سے جا ملا تھا، مرہٹوں نے انہیں پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ دور سے ان کے افغانی لباس کو دیکھ کر بھاگنے کی رفتار اور تیز کر دیتے،

سہ پہر دو بجے تک لڑائی بالکل ختم ہو چکی تھی شاہ کے فوجیوں کے ہاتھ بیشمار ساز و سامان آیا کاشی راجہ پنڈت سے (جو شجاع الدولہ کی فوج میں ملازم تھا اور جنگ میں شریک تھا) کے مطابق ہر شاہی فوج کے سپاہی کے پاس مال غنیمت چند گھوڑے بوجھ کے برابر تھا،

ڈف، کاشی راجہ پنڈت، سیٹھی اور ایلین دکیمبرج تاریخ سن ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی) محمد جعفر شملو وغیرہ کے مطابق مرہٹوں کا نقصان یہ تھا کہ دو لاکھ مارے گئے ۳۰ ہزار قیدی بنائے گئے، ادنا موجد کے مطابق ۵۰ ہزار گھوڑے ۵۰۰ ہاتھی، چند ہزار اونٹ اور ۲ لاکھ مویشی شاہ کے ہاتھ لگے اس دور کی مرہٹہ نسل کے تمام بہترین لیڈر اور تجربہ کار فوجی ایک دن میں مارے گئے۔

ساور کر مرہٹہ نقصان لا تعداد بتاتا ہے مگر احمد شاہ کے نقصان کی تعداد ۴ ہزار بتاتا ہے اور قیدیوں کی تعداد بھی ہزاروں بیان کی ہے محمد جعفر شملو نے مرہٹہ قیدیوں کی تعداد ۲ لاکھ اور مارے جانے والوں کی تعداد ۵۰ ہزار بیان کی ہے، نادر شنکر در اجہ بہادر خود دہلی میں اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا، شکست کی خبر سنتے ہی ۱۵ جنوری ۱۷۶۱ء کو بھاگ گیا اور جلدی میں چار لاکھ کا خزانہ اور خوراک کا ذخیرہ پیچھے چھوڑ گیا،

بھگوڑوں کو مقامی باشندوں نے خوب لوٹا، ایک دن پہلے ہر ہندو مرہٹوں کو ہر قسم کی مدد دینے کو تیار رہتا تھا مگر اب وہ بھی مال غنیمت لوٹ رہے تھے اور بھگوڑوں سے ہر قسم کی چیز چھین رہے تھے کوئی انہیں امان یا چھپنے کی جگہ نہیں دے رہا تھا،

ڈف کے مطابق شمالی ہند کی مضبوط عورتوں نے بھی مرہٹہ سپاہیوں کو پکڑ کر لوٹا، ادھر پیشوا ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ دریائے نربدا کو پار کرنے میں مشغول تھا کہ اسے پیامبر نے اطلاع دی "دو موتی گھل گئے، ۲۷ سونے کی مہریں کھو گئیں اور کھوئے گئے چاندی تانبے کے سکوں کی گنتی نہیں ہو سکتی"

لوٹ مار کی وجہ سے مرہٹہ سونے اور چاندی کے دلدادہ تھے اس لئے ان کے خفیہ پیغام بھی انہی ناموں سے بھیجے جاتے تھے، پیشوا کو مرہٹہ شکست کا اب تک بالکل یقین نہ آ رہا تھا، بھگوڑوں کو خوفزدہ دیکھ کر اور نقصان کے بارے میں معلوم کر کے وہ خود ڈر کر واپس بھاگ گیا اور ۲۳ جون کو اس ذلت آمیز شکست کے غم میں مر گیا بھاؤ اور وشواس راؤ وغیرہ کی لاشوں کا کریا کرم ہندو طریقے سے کیا گیا ابراہیم گاردی زخمی حالت میں پکڑا گیا تھا مگر اسے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے قتل کروا دیا گیا

ادھر فتح کے فوراً بعد احمد شاہ ابدالی پانی پت کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بو علی قلندر کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا ۲۱ جنوری ۱۷۶۱ء کو تعاقب کرنے والے دستے سے چند روز بعد دہلی پہنچا اور شہزادہ علی گوہر کو شاہ عالم کے لقب سے بادشاہ چنا اور نواب شجاع الدولہ کو وزیر اعظم مقرر کیا، کیونکہ شاہ کے وطن میں بغاوت پھیل رہی تھی، اس لئے وہ ۲۲ مارچ کو دہلی چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے اس طرح جلدی جانے سے ہندوستان میں پھر بدنظمی پھیلنے لگی،

بیشتر مورخین کے مطابق اس جنگ میں مرہٹوں کو مکمل شکست ہوئی تھی اس کے بعد مرہٹہ حکمران کبھی اکٹھے نہ ہو سکے اور پیشوا کی حیثیت برائے نام رہ گئی، مرہٹہ سرداروں نے الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں، ہندو پد پادشاہی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور بھگوا جھنڈا لال قلعے پر لہرایا نہ جا سکا،

مرہٹہ قوم کے بہترین اور تجربہ کار لیڈر ختم ہو گئے اور مرہٹہ قوم کو دوبارہ تنظیم نہ مل سکی

اکثر مورخین کی رائے میں اس جنگ میں سب سے زیادہ فائدہ انگریزوں کو پہنچا کیونکہ ہندوستان میں ان کے خلاف مرہٹوں کے بعد کوئی موثر طاقت نہ تھی اس لئے انہوں نے آہستہ آہستہ تمام ہندوستان پر قبضہ کر لیا، مگر مرہٹوں کی شکست کا سب سے زیادہ فائدہ مسلمانوں کو پہنچا کیونکہ اگر "ہندو پد پادشاہی" کا جھنڈا اٹک سے گوداوری تک لہراتا تو آج برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہوتی اور مسلمانوں کی مساجد کو مندروں میں بدل دیا جاتا، مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو فنا کر دیا جاتا اور مسلمان نہ جانے کب تک ہندوؤں کے غلام رہتے، مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی میں آنے سے پیشتر کچھ عرصہ اور آزاد رہنے کا

(باقی ۳۰ پر)

بادۂ شیراز در جامِ اُردو

چو بشنوی سخن اہلِ دل، مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ، دلبرا خطا ایں جاست
سرم بدُنیا و عقبیٰ، فرو نمی آید
تبارک اللہ ازیں فتنہا کہ در سرِ ماست
در اندرونِ منِ خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
دلم ز پردہ بروں شد کجائی اے مطرب
بنال ہاں کہ ازیں پردہ کارِ ما بنواست
مرا بکارِ جہاں ہرگز التفات نبود!
رُخِ تو در نظرِ من چنیں خوشش آراست
نخفتہ ام بخیالی کہ می پزم شب ہا
خمارِ صد شبہ دارم شراب خانہ کجاست
چنیں کہ صومعہ آلودہ شد بخونِ دلم
گرم ببادہ بشوئید حق بدستِ شماست
ازاں بدیرِ مغانم عزیز می دا
کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دلِ ماست
چہ ساز بود کہ بنواخت مطربِ عشّاق
کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پُر ز صداست
خمارِ عشقِ تو دیشب در اندرونم بود
کجاست وقتِ عبادت چہ وقتِ جائی دعاست
ندائے عشقِ تو دوشم در اندروں دادند
فضائے سینۂ حافظ ہنوز پُر ز صداست

حافظ شیرازی

جب اہلِ دل کی سنو بات، اسے خطا نہ کہو
سمجھ سکو نہ جسے، اس کو ناروا نہ کہو
ہے بے ریا کو نہ دنیا نہ عاقبت درکار
ہر ایک طالبِ جنّت کو بے ریا نہ کہو
ہے دل تو نالہ و فریاد سے مرا لبریز
زباں خموش ہے، کہتی ہے مدّعا نہ کہو
چھپے گا کب دلِ مضطر کا راز اے مطرب!
فغانِ دل کو اگر نغمہ و نوا نہ کہو
مجھے تو کارِ جہاں سے نہیں کوئی مطلب
کسی کا اپنے سوا مجھ کو آشنا نہ کہو
ہزاروں سال سے شب زندہ دار ہوں ساقی!
کھلے گا کب مری خاطر شراب خانہ، کہو!
یہ خانقاہ ہے مرے خونِ دل سے آلودہ
کروں شراب سے گر صاف، ناروا نہ کہو
ہماری آتشِ دل ہی سے دَیر روشن ہے
صنم پرست ہیں گر ہم، ہمیں بُرا نہ کہو
دماغ ہے ابھی لبریز نغمہ ہائے طرب
یہ عمر بیت گئی، اب بُرا بھلا نہ کہو
خمارِ عشق رگوں میں ہے خون کے بدلے
گزر گئی شبِ ہجراں تو اب دُعا نہ کہو
فضائے سینۂ حافظ میں گونجتی ہے سدا
ندائے عشق کے بدلے کوئی صدا نہ کہو

آزاد شیرازی

قسط (۲)

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

انگریز کی آمد سے برصغیر کے حالات میں کیا تغیر رونما ہوا؟

تحریر: خالد محمود ایم اے

مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات

۱۸۵۷ء سے کچھ عرصہ پہلے تک "ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی ابھی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے"[1] لیکن بعد میں — "ہندوؤں کے خیالات و احساسات میں خاص طور پر تغیر و تبدل ظاہر ہونے لگا اور اُن سے ایسی تحریکیں ابھرنے لگیں جن کا اثر ہندوستان کی سیاسی زندگی پر پڑتا رہا۔ یہ تحریکات اصلی تیزی کے ساتھ تو بعد میں شامل ہوئیں لیکن ہندو سوسائٹی کے خیالات و احساسات میں ایک زبردست اضطراب پیدا ہو گیا تھا"[2] اور انگریزی حکمتِ عملی کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کا شیرازہ بکھرنے لگا جو بعد میں تقسیم ملک پر منتج ہوا۔

انیسویں صدی کے ان سیاسی و جہادی معرکوں میں بنیادی اور اہم ترین حصہ علماء کا تھا۔ یہ ان علماء کی جماعت تھی، جن کا تلمیذی، روحانی اور تنظیمی تعلق شاہ ولی اللہ کے سکول سے تھا۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک کی قیادت تو بیشک علماء کرام کے ہاتھ میں تھی۔ مگر تحریک کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے میں غیر علماء بھی برابر کے شریک تھے —

— مولانا ذوالفقار علی کا بہت گہرا تعلق اس سلسلہ کے ساتھ تھا بلکہ مولانا تحریکِ دیوبند کے اوّلین ارکین میں سے تھے۔

معاشرتی حالت

برصغیر میں دو تہذیبیں ہیں ایک مسلم تہذیب اور دوسری ہندو تہذیب۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد پر ہندو معاشرہ چار بڑی ذاتوں، (برہمن، کھشتری، ویش، شودر) میں تقسیم تھا، ان میں اولُ الذکر اپنے آپ کو سب سے بلند سمجھتا تھا اور موخر الذکر کے ساتھ باقی تینوں فرقوں کا سلوک بہت گھٹیا تھا۔ یہ لوگ اپنے فرقے کے علاوہ غیر سے شادی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی میل جول میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ ہندو معاشرہ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھا۔ مثلاً شادی بچپن میں ہوتی تھی اور طلاق منع تھی۔ بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی اور اکثر عورتیں اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ زندہ جل مرتی تھیں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہ تھی۔ لیکن راجہ کے محل میں کئی کئی رانیاں ہوتی تھیں خودکشی جرم نہیں تھا۔ اگر کسی کھشتری یا برہمن کو جان دینا ہوتی تو دریائے گنگا اور جمنا کے سنگم پر درخت سے چھلانگ لگا کر جان دے دیتا۔ ملزم کو اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے زہر کا پیالہ پینا پڑتا یا گرم تیل میں ہاتھ ڈالنا ہوتا، گویا ان کے نزدیک زہر اور گرم تیل بے گناہی کی صورت میں اپنی طبعی خاصیت چھوڑ دیتے تھے۔ برہمن اور کھشتری کو سزائے موت نہیں تھی خواہ جرم کی نوعیت

---

[1]، [2] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صفحہ ۱۰۹، ۱۵۹، ۲۱۶

کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ کپڑے کم پہنتے اور اکثر کا لباس غلیظ ہوتا تھا، کسی مکان میں داخل ہوتے وقت اجازت حاصل کرنا ضروری نہ تھا۔ دھوکہ سازی اور جعلسازی کا بازار گرم تھا جوا بازی عام تھی اور سود کی لعنت سے کوئی خالی نہ تھا، عورت کا معاشرہ میں بلند مقام نہ تھا، ہندو معاشرہ نہایت اوہام پرست تھا، مندروں اور مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی۔

اس معاشرہ میں شودر اور ویش تنگ تھے کیونکہ ان کے ساتھ مساوی سلوک نہیں ہوتا تھا[1]۔ مسلمانوں کی ہند میں آمد سے ہندوؤں کی معاشرت میں کافی تبدیلی آئی۔ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی علماء و صوفیاء کا سلسلہ بھی شروع ہوا جنہوں نے اس برصغیر میں اسلام کی خدمت شاہی حکمرانوں سے کہیں زیادہ کی۔ چنانچہ ہندو معاشرہ میں تعلیم کا رواج عام ہوا۔ عوام کو مساوات کا سبق پہلی دفعہ ملا۔ مسلمانوں کی تعلیم سے ہندوؤں کے بہت سے اوہام دور ہو گئے۔ ہندو فرقوں کے بزرگوں نے اسلام سے متاثر ہو کر نئے فرقوں کی بنیاد رکھی ان میں بنگال میں چیتنیہ اور پنجاب میں نانک خاص طور پر مشہور ہیں جنہوں نے خدا کی وحدانیت کی تبلیغ کی۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور عربی و فارسی زبانیں سیکھیں بعض ہندوؤں نے اسلامی معاشرت اختیار کی اور صوفیوں کے مرید بن گئے۔ دونوں تہذیبوں کے ملاپ سے ایک نئی زبان ظہور میں آئی، یعنی "اردو"۔ اس میں عربی، فارسی، بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ ہیں۔

مگر ہندوستان میں متعدد مسلمان خاندانوں کی حکومت اور علماء و صوفیاء کی کوششوں کے باوجود، ایک مکمل اسلامی معاشرہ یہاں قائم نہیں ہو سکا۔ جب تک مسلمان حکومت کا اثر غالب رہا یہ کام ایک خاص رفتار سے جاری رہا لیکن مغل حکومت کے کمزور پڑتے ہی اسلامی معاشرت کی تکمیل کا کام بھی کمزور پڑنے لگا۔ مسلمان عوام میں غیر اسلامی اور ہندوانہ رسوم زور پکڑ گئیں اور مذہبی شعائر نظر انداز کیے جانے لگے۔

انگریزوں کی آمد کے وقت ہندوستانیوں کی معاشرتی زندگی کی تصویر سکرلفٹن نے یوں کھینچی ہے[2]

"ہندوستان میں بدامنی اور بدنظمی کے زمانہ میں بھی تالابوں اور آب پاشی کے دیگر ذرائع کو حکومت ضرور قائم رکھتی تھی، لوٹ مار بھی کم ہوتی تھی۔ اور زر اور جواہرات کے تاجروں کو بھی ہتھیار رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی سڑکیں محفوظ تھیں، علم نجوم سے عوام کو دلچسپی تھی۔ خسوف اور کسوف کے اوقات باقاعدہ درج کیے جاتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ توہمات کی بھی بہتات تھی۔ لوگ مبارک اور نحس اوقات معلوم کرنے کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ ہندوؤں میں شادیوں کا انتظام بچپن میں ہی کر دیا جاتا تھا۔ ستی کا رواج عام نہ تھا۔ یہ صرف بڑے بڑے خاندانوں کی عورتوں تک محدود تھا۔ نوابوں کے بچے پانچ چھ سال کی عمر تک عورتوں اور بچوں کی صحبت میں رکھے جاتے تھے۔ اس کے بعد انہیں اتالیقوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا جن سے وہ مجلسی آداب و قواعد سیکھتے تھے۔ آداب ظاہری کو ایک خاص اہمیت دیتے تھے اور نہایت سختی سے ان کی پابندی کرتے تھے۔ وہ سواری اور فنون جنگ سیکھتے تھے۔ تلوار، ڈھال اور کمر میں خنجر۔ یہ ان کے تین بڑے ہتھیار تھے۔ مہمان نوازی ایک عام صفت تھی۔"

شمالی ہند میں ہندوؤں کا لباس وہی ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ لیکن دکن میں ہندوؤں نے اپنا قدیم لباس قائم رکھا ہے[3]

"ہندو عورتیں اپنے گھروں سے باہر کبھی نہیں دیکھی جاتیں وہ اپنی آرائش میں بہت وقت صرف کرتی ہیں۔ جسمانی ریاضت اور چلہ کشی لوگوں میں عام ہے۔ مدراسی ملاحوں کی تیراکی کا ذکر بھی اس نے تعریفی الفاظ میں کیا"

گر مجموعی طور پر لوگوں کی جسمانی حالت کمزور تھی لیکن سادہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے دلیری اور استقلال پایا جاتا تھا۔

عوام خوشحال تھے۔ زراعت و حرفت کو خوب فروغ حاصل تھا۔ کاشتکار، تاجر، مزدور اور کاریگر سب امن و آسائش کی زندگی گزارتے تھے۔ عوام کا معیار زندگی بہتر تھا اشیاء بہت سستے داموں فروخت ہوتی تھیں مسلمان سواری اور شکار کے شوقین تھے، کبڈی اور کشتی کے مشغلوں کا بھی بہت ذوق

---

[1]: تفصیل کے لیے دیکھیے تمدن ہند از ڈاکٹر گستاؤلی بان۔ مترجمہ سید علی بلگرامی (مقبول اکیڈیمی لاہور ۱۹۶۲ء)۔

[2]: انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۳۰-۵۵

[3]: تفصیل کے لیے دیکھیے تمدن ہند از ڈاکٹر گستاؤلی بان۔ مترجمہ سید علی بلگرامی (مقبول اکیڈیمی لاہور ص ۲۴۵-۲۵۰)

تھا۔ لوگ عام طور پر پگڑی، پٹکا، پاجامہ اور جوتا پہنتے تھے۔ بعض علاقوں میں مرد شلوار بھی پہنتے تھے۔ عورتیں ساڑھی اور شلوار استعمال کرتی تھیں۔ غیر ملکوں کے ساتھ تجارت کا سلسلہ بھی قائم تھا۔

شادی بیاہ کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں۔ موت و پیدائش کی رسوم ہندوؤں اور مسلمانوں کی مختلف تھیں برہمنی مذہب کے ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے تھے مسلمانوں میں ہندوؤں سے برسوں میل جول کی وجہ سے ہندووانہ رسوم پائی جاتی تھیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں اختلاف نہیں تھا۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر میں ان دونوں کے اختلافات ابھرنے لگے تھے جو بالآخر ملک کی تقسیم پر منتج ہوئے۔[1]

انگریزوں کے غلبے سے پہلے ہند میں مسلم تہذیب کا پلڑا بھاری تھا مگر انیسویں صدی کے آغاز میں مسلم معاشرت میں زوال آنا شروع ہُوا۔ اس لیے کہ ایک طرف مرہٹوں اور سکھوں کے عروج سے مسلم معاشرت کو دھچکا پہنچنا شروع ہوگیا۔ دوسری طرف انگریزوں کے بڑھتے ہُوئے غلبہ سے بھی مسلم تہذیب و تمدن خطرہ میں آگئے، اس دور میں مسلمانوں کی معاشرتی و مذہبی زندگی کی اصلاح کے لیے مولانا شریعت اللہ اور سید احمد بریلوی کی تحریکوں نے بہت کام کیا۔ سید احمد کی شہادت کے بعد آپ کی تحریک سے وابستہ حضرات مولانا عبدالحی، مولوی عنایت علی، مولوی کرامت علی اور مومن دہلوی کی خدمات بھی قابلِ ذکر ہیں۔[2]

تاہم انیسویں صدی میں معاشرتی انتشار بڑھتا رہا اگرچہ اس پر قابو پانے کی مساعی بھی بہت زور شور سے مختلف حلقوں کی طرف سے کی جاتی رہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز سے ۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں صرف دو ہی تہذیبیں تھیں۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری تہذیب ہندو، لیکن اس عرصہ میں ایک تیسری تہذیب بھی اُبھری۔ جسے انگریزوں نے برصغیر میں متعارف کرایا۔ پرانی تہذیبیں مابعد الطبیعیاتی تھیں جب کہ آخر الذکر تہذیب سائنسی تھی۔ اس دور میں جو نیا سائنسی تمدن سمندری ساحلوں سے برصغیر میں وارد ہُوا وہ ایک سطح پر زندہ رہا، اس لیے وہ نچلی سطح کے عوامی حلقوں پر اثر انداز نہ ہو سکا۔[3]

بہرحال رفتہ رفتہ انگریزوں کے زیرِ اثر ایک نیا سماجی و معاشرتی نظام ابھرنے لگا۔ انگریزوں نے قانوناً بعض مفید معاشرتی اصلاحات کیں۔ مثلاً ستی کی ممانعت جو ہندو معاشرہ کی ظالمانہ مگر قدیم رسم تھی۔ دختر کشی کی ممانعت، غلامی کا انسداد، ہندو قانون کے مطابق جو شخص ہندو مت ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرلیتا تھا، اسے آبائی جائیداد سے محروم کردینا پڑتا تھا، مگر ولیم بینٹنگ نے اس قانون کو ختم کر دیا۔ اس سے گورنر جنرل عیسائیت کی تبلیغ کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا تھا۔ ہندوستان میں جدید طریقہ تعلیم کی بنیاد رکھی گئی اکثر معاشرتی تحریکات اسی تعلیم کا نتیجہ تھیں۔ ان تحریکات کو یا تو براہِ راست تعلیم جدید کا نتیجہ سمجھئے یا ایک بہت تیز رو سیلاب کے مقابلے میں قدیم طاقتوں کا ردِ عمل خیال کیجئے۔ ہندوؤں کے خیالات میں خاص طور پر تغیّر و تبدّل ہونے لگا۔[4] انگریزی ہندوستان کی سرکاری زبان ہوگئی۔ مشترکہ زبان کی حیثیت میں انگریزی مختلف جماعتوں کے ذہن اور خیالات میں بتدریج تبدیلی کرنے لگی اور اس سے زندگی کے شعبوں میں نئی خواہشات، نئے فیشن، نئے معیار اور نئے عزائم و اقدار پیدا ہوگئے۔[5] ۱۸۱۳ء کے بعد عیسائی مشنریوں کو برطانوی ہند میں تعلیم و تبلیغ کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی اور مشن سکولوں کا اجراء کیا گیا۔ جن میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے۔[6] جن کے اثرات کے بارے میں ہنٹر لکھتا ہے:-

"ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے
کوئی نوجوان خواہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا
نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے
مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو۔
ایشیا کے پھلنے پھولنے والے مذہب
جب مغربی سائنس کے ریخ بستہ حقائق
کے مقابلہ میں آتے ہیں تو سوکھ کر
لکڑی ہو جاتے ہیں۔"

عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں۔[7]

"اس دور کی معاشرتی زندگی کے تبصرے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، موج کوثر ص ۲۲-۳۰، [2] ہندوستان پس منظر و پیش منظر از سید محمد تقی (انجمن ترقی اردو پاکستان اشاعت اول سنہ ۱۹۶۸ء) ص ۳۲،
[3] تفصیل کے لیے دیکھیے تمدن ہند ص ۲۲۵-۲۵۱ (انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۱۵۹-۱۸۳ (موج کوثر از محمد اکرام (مطبوعہ فیروز سنز لاہور اشاعت اول) ص ۸۰، [4] ص ۵۰-۶۰ [5] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صفحہ ۱۵۹، ۱۷۲، ۱۸۸ [6] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۰۳، [7] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۲۱۶،

میں چار امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ،

اول یہ کہ دیہاتی آبادی کی کثیر تعداد بدستور پرانے طریق پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ اگرچہ حکومت اور اقتصادی حالات کے تغیر و تبدل کی وجہ سے نئی باتیں اور نئے امور نامعلوم طور پر ان کی زندگی میں داخل ہو گئے تھے۔

دوسرے یہ کہ شہروں، قصبوں اور اعلیٰ طبقوں کے لوگوں کی معاشرتی زندگی میں نمایاں تغیر و تبدل اور انقلاب پیدا ہو گیا تھا اور انگریزی فیشن پھیل رہا تھا۔ تیسرے نئے اقتصادی اسباب اور ذرائع آمد و رفت کی وجہ سے نئی عادات اور ضروریات پیدا ہو رہی تھیں۔ جو قدامت پرست طبقے کو مذہبی اور اخلاقی نظام کے لیے خطرناک نظر آتی تھیں۔ پھر نئے معاشرتی اور سیاسی اصلاح کی کھلی ہوئی تحریک کی وجہ سے وہ حیرت انگیز اور غیر محسوس کشش جو ایک نامعلوم منزل کی طرف لیے جا رہی تھی اور بھی مہیب اور خطرناک نظر آنے لگی۔"

الغرض مغربی معاشرت اور علوم و فنون کے اثرات پاک و ہند میں نفوذ کرنے لگے اس ملک میں ایک طرف مسیحی مشنریوں کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور دوسری طرف مغربی علوم و فنون اور افکار کے ذخیرہ کی شعاعوں کے سامنے مشرق کے روایتی عقائد اور معاشرتی اقدار کا نور ماند پڑنے لگا۔ ان حالات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی روایات و معاشرتی اقدار کے تحفظ و دفاع کے لیے سوچنا پڑا۔ جس کے نتیجہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں دو الگ الگ مکاتب فکر پیدا ہوئے۔ اولاً وہ طبقہ جو کہ مشرق و مغرب میں یک جہتی پیدا کرنا چاہتا تھا اور مغربی اقدار و افکار سے مرعوب ہو کر انہیں اپنانا چاہتا تھا۔ ثانیاً وہ طبقہ جو کہ رفتار زمانہ کا ساتھ دینے کے بجائے اپنے قدیم روایات سے وابستہ رہا اور مغرب کی مذمت کرتا رہا۔ تاہم ان دو انتہا پسند طبقوں کے درمیان ایک تیسرا طبقہ بھی تھا جو مغرب و مشرق میں امتزاج کا حامی تھا۔

اس دور میں نئے حالات و تقاضوں کے ردعمل میں معاشرتی و مذہبی اصلاح کے لیے ہندوؤں میں برہمو سماج، پرارتھنا سماج، دیو سماج، آریہ سماج اور مسلمانوں میں علیگڑھ اور دیوبند کی تحریکیں ابھریں۔ دیوبند تحریک نے مسلم معاشرت کے تحفظ کے لیے بڑا کام کیا۔

مولانا ذوالفقار علی کا تعلق دیوبند کی تحریک سے تھا[1]

بقیہ : مولانا محمد حیات

اس دور میں یہ لوگ یاد آئیں گے رہ رہ کر۔ امیر شریعت رح کے حکم سے قادیاں میں قیام کیا، اور انہی کے کہنے سے تقسیم کے بعد مجلس سے وابستہ ہوئے، شیرانوالہ میں سالہا سال حضرت لاہوری کے یہاں آ کر دورۂ تفسیر کے طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت کے بعد بھی قائم رہا۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے، بہت جلد مفصل مضمون پیش خدمت ہو گا،،

مولانا ہم سب کی متاع تھے، ہم سب یتیم ہو گئے اور ہم سب مستحق تعزیت ہیں، خدا ملت کو اس حادثہ کے برداشت کی توفیق دے، مولانا کے متعلقین کو صبر جمیل نصیب ہو، اور فتنوں کی راہ میں روک بننے والا ایسا درویش منش رحمت باری سے پھر کوئی پیدا ہو،

: اللھم آمین۔

بقیہ : شاہ ولی اللہ رح

موقعہ ملا۔ انگریزوں کی غلامی میں بھی رہ کر کسی حد تک مسلمانوں کی مذہبی آزادی برقرار رہی، مرہٹوں کے ناپاک عزائم سے مسلمانوں کے دینی رہنما اور عقل و شعور رکھنے والے مسلمان سردار آگاہ تھے اسی لئے انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی دعوت دی تھی اگر مرہٹے جیت جاتے تو شاید آج پاکستان نہ ہوتا

۱؎ تفصیل کے لیے دیکھیے، حیات جاوید از مولانا حالی، انگریزی عہد میں ہندوستان کے ۲

۲ - تمدن کی تاریخ ص ۱۹۱ - ۱۹۹ و مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند از قاری محمد طیب و علماء حق از محمد میاں (حصہ اول) و تاریخ دیوبند از محبوب رضوی۔

انجمن خدام الدین لاہور
کی طرف سے شائع شدہ

قرآن عزیز

بہ تجشیۂ جدیدہ

بہترین عکسی طباعت سے مزین

ترجمہ: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ہدیہ

قسم اعلیٰ:- ۲۰۰/- روپے، کاغذ آسٹریا، وہائٹ پرنٹنگ، چرمی جلد

قسم اول:- ۷۵/- روپے امپورٹڈ آفسٹ پیپر

قسم دوم:- ۳۵/- روپے جلد ڈائی دار کاغذ مکینیکل گلیزڈ

قسم سوم:- ۲۱/- روپے جلد سادہ کاغذ مکینیکل گلیزڈ

محصول ڈاک:- ۶/- روپے
فی نسخہ زائد ہوگا۔

باہتمام ناظم شعبہ تالیف و اشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵
خدام الدین
رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں اقبال
نسل آدم بھوک سے بے چین ہے لیکن یہاں
ہو رہی ہے رنگ و بو کی انجمن آراستہ!
سجاد بریلوی
خبردار
خطرہ
سنبھلو
پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی!
عصر حاضر کی ہوشربا گرانی، شامت اعمال قحط سالی اور عبرتناک معاشی بدحالی کو مد نظر رکھتے ہوئے
• فحاشی بےحیائی کے ابتدائی تربیتی مراکز پرسند تباہی (تفریحی ٹکٹ) خریدنے • قطار در قطار کھڑے ہو کر انتظار کی گھڑیاں گننے
• وقت اور روپیہ کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت بھی خراب کرنے اور • فتنۂ دل و نگاہ سے ایمان سوز تفریحی تسکین حاصل کرنے سے پیشتر
مالک حقیقی کا اٹل فرمان
ہزاروں برس سے لوح محفوظ
پر نقش تاریخی دستور سن لیجئے
راگ و رنگ کے طاؤس نواز، سربراہوں کو
انتباہ
بعض آدمی کھیل کی باتوں (ناچ گانے سنیما) کو خریدتے ہیں تاکہ خدا کی راہ سے بن سمجھے گمراہ کریں اور اس پر تمسخر کرتے ہیں ان کیلئے ذلت کا عذاب ہے، اور جب اس کو ہماری آیات سنائی جائیں تو غرور اور تکبر سے سنا ہی نہیں چاہتا گویا اس کے کان بہرے ہیں سو اس کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔
(سورۂ لقمان۔ آیات ۶-۷)
بیشک کان، آنکھ اور دل کے بارے میں باز پرس ہو گی۔
(سورۂ بنی اسرائیل)
جو لوگ مسلمانوں میں بدکاری پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔
(سورۂ النور)
لہٰذا ممنوع وقتی تفریح اور عارضی سرور کا حسرتناک انجام (مستقل تماشہ) بننے سے آپ بچئے اور دوسروں کو بچائیے!
تماشا خود نہ بن جانا تماشا دیکھنے والو
لے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ کے کافروں میں نضر بن حارث عراق کی طرف سوداگری کو جاتا تو گانے والی عورتیں اور رستم و اسفندیار کے ناول خرید لاتا اور مکہ کے لوگوں میں سٹیج کر کے لوگوں کو راگ و رنگ میں مشغول کرتا